خدمتِ دین کے تقاضے

اور

ہمارا کردار

ڈاکٹر حسن محی الدّین قادری

خدمتِ دین کے تقاضے

اور

ہمارا کردار

خدمتِ دین کے تقاضے
اور
ہمارا کردار

ڈاکٹر حسن محی الدّین قادری

جملہ حقوق محفوظ ہیں۔

تصنیف: ڈاکٹر حسن محیؒ الدین قادری

تخریج : محمد اِقبال چشتی

زیرِ اہتمام : فرید ملّت رِیسرچ اِنسٹی ٹیوٹ

[Research.com.pk]

مطبع : منہاج القرآن پرنٹرز، لاہور

اشاعت نمبر 1 : جون 2018ء [1,100-پاکستان]

قیمت : ۔۔۔۔روپے

twitter.com/DrHassanQadri

facebook.com/DrHassanQadri

بسم الله الرحمن الرحيم

مولاي صل وسلم دائما أبدا

على حبيبك خير الخلق كلهم

محمد سيد الكونين والثقلين

والفريقين من عرب ومن عجم

اللهم صل على سيدنا ومولانا محمد وعلى آله وصحبه وبارك وسلم

فہرست

پیش لفظ ۱۱

باب اوّل

کارکنان کی سیرت ۱۵

۱۔ تحریک اور قائدِ تحریک لازم وملزوم ہیں ۱۸

۲۔ شیخ الاسلام کثیر الجہات شخصیت کے مالک ہیں ۲۰

۳۔ دنیاوی نوکری کے تقاضے ۲۱

۴۔ دین کی نوکری کے تقاضے ۲۲

۵۔ صالحین کی سنگت نجات کا ذریعہ ہے ۲۳

۶۔ عمل کی اپنے بساط کیا ہے؟ ۲۷

۷۔ محبوب کی نگاہِ التفات ہٹ جانے کا خوف ۲۹

۸۔ ذاتی بغض وعناد ایک زہرِ قاتل ہے ۳۰

۹۔ ہر نیک عمل باعثِ صدقہ ہے ۳۵

۱۰۔ انسانی جسم میں موجود ہر جوڑ کا حقِ بندگی ۳۹

۱۱۔ ترغیب وترہیب کا عمل خدمتِ دین کا موجب ہے ۴۳

باب دوم

عہدے داران اور کارکنان کی اَخلاقی و روحانی تربیت ۴۷

۱۔ خوفِ خدا اور باطنی کیفیات کا حصول ۴۹

۲۔ وقت کی قدر و قیمت کا احساس ۵۳

۳۔ علم نافع کا حصول ۵۴

۴۔ تصوف اور تشکیلِ کردار ۵۹

۵۔ وساوس اور شیطانی حملوں سے دفاع ۶۱

۶۔ تعلق باللہ اور اخلاص ۶۴

۷۔ فرض عبادات کی پابندی ۶۷

۸۔ محبت و اطاعتِ رسول ﷺ کا عملی اظہار ۶۹

۹۔ مشن کی نمائندگی اور عمدہ اَخلاق ۷۲

۱۰۔ اُمورِ تحریک اور شوقِ عمل ۷۳

۱۱۔ باہمی مشاورت ۷۴

۱۲۔ تحریکی ساتھیوں میں اخوت و بھائی چارہ ۷۵

۱۳۔ ہمہ وقت مراقبہ، محاسبہ اور مؤاخذہ کا اہتمام ۷۹

(۱) مراقبہ ۸۰

(۲) محاسبہ ۸۱

(۳) مواخذہ ۸۲

۱۴۔ خلاصۂ کلام ۸۲

مصادر و مراجع ۸۵

پیش لفظ

اللہ رب العزت کا اِحسانِ عظیم ہے کہ اس نے انسان کو بہترین صورت میں پیدا فرمایا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان سے زیادہ خوبصورت کوئی شے پیدا ہی نہیں کی۔ بلاشبہ صوری اور معنوی حسن و جمال میں کوئی بھی چیز انسان کی برابری کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔ اس ظاہری اور معنوی حسن و جمال کے ساتھ ساتھ اللہ رب العزت نے انسان کی بہترین ابتدائی تربیت کا بھی اہتمام فرمایا۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿عَلَّمَ ٱلۡإِنسَٰنَ مَا لَمۡ يَعۡلَمۡ﴾(١).

جس نے انسان کو (اس کے علاوہ بھی) وہ (کچھ) سکھا دیا جو وہ نہیں جانتا تھا○

بعد ازاں اَقوام کی رُشد و ہدایت اور اِصلاح کے لیے ہر دور میں مختلف انبیاء کرام علیہم السلام مبعوث فرمائے۔ آخر میں پیکرِ رشد و ہدایت، خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے؛ جن کی سیرتِ طیبہ کا ایک ایک گوشہ بنی نوع انسان کی تربیت کے لیے عمدہ ترین نمونہ ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تربیت یافتہ اَصحاب رضی اللہ عنہم اور اَہلِ بیت اطہار علیہم السلام نے آفتابِ عالم تاب بن کر عالمِ کفر کو ایمان کے نور سے منور کیا۔ اس کے بعد اولیاء عظام، صلحاء بلند مقام اور علماء کرام آتے رہے جو خاص و عام کی ظاہری و باطنی تربیت میں آج تک

---

(١) العلق، ٩٦/ ٥.

سرگرمِ عمل ہیں۔

آج اِصلاحِ اَحوال کے اسی مشن کو آگے بڑھانے، بھولے بھٹکوں کو صراطِ مستقیم پر چلانے، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ ٹوٹے ہوئے رشتے کو اَز سرِ نو استوار کرنے اور قرآن و سنت کے مطابق زندگیوں کو ڈھالنے کا مشن لے کر شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ العالی میدانِ عمل میں موجود ہیں۔ ان کی شبانہ روز کاوشوں سے آج تجدید و اِحیاءِ دین کی تحریک منہاج القرآن کی شاخیں دنیا کے نوے ممالک میں پھیل چکی ہیں۔ اسلام کے مختلف گوشوں اور قدیم و جدید موضوعات پر ان کی سیکڑوں کتب منصۂ شہود پر آچکی ہیں۔ ہزاروں موضوعات پر محیط ان کے خطبات و دروس اور لیکچرز نے قرآن و سنت کے آفاقی پیغام کی ترویج اور معاشرتی زندگی کے ہر شعبے میں انقلاب آفریں فکر و نظر کے فروغ میں بھرپور کردار ادا کیا ہے۔ یہی نہیں بلکہ جدید عصری تقاضوں کو قرآن و سنت کے ساتھ مربوط کرکے خاص و عام کے قلوب و اَذہان میں پیدا ہونے والے شکوک کا اِزالہ کرنا اور ایک شعوری انقلاب کی بنیاد رکھنا بھی اُنہی کا طرۂ امتیاز ہے۔ ان کے اجتہادی نظریات ترقی یافتہ دور کی تمام ضروریات کو اسلام کے مطابق حل کرنے کی پوری صلاحیت سے مالامال ہیں۔

زیرِ نظر موضوع اِصلاح و تربیت کے اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ موضوع زیرِ بحث پر حضور شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی الگ کتاب ''خدمت دین کی توفیق'' کے نام سے موجود ہے اور اِس کتاب کی تیاری میں ''خدمت دین کی توفیق'' سے استفادہ کیا گیا ہے۔ اِس مختصر رسالے میں دین کی خدمت کرنے والے کارکنان کے لیے نہایت مفید نکات بیان کیے گئے ہیں کہ کس طرح وہ اپنی کاوشوں میں اِخلاص و للّٰہیت کا جذبہ پیدا کرسکتے ہیں۔ بے لوث خدمات کو مزید بہتر کرکے زیادہ سے زیادہ ثمر آور کیسے بنا سکتے ہیں۔

دین کی خدمت کے تقاضے کیا ہیں اور ہم کس ڈگر پر چل رہے ہیں؟ اس طرح کے مختلف تشنہ سوالات کے شافی جوابات، اِس رسالے میں دیے گئے ہیں۔ کارکنانِ تحریک کے لیے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے اَحکامات کے مطابق فرائضِ منصبی کی ادائیگی پر مبنی راہنما اصول بھی یہاں موجود ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ ہدایات بھی پوری شد و مد کے ساتھ شامل کی گئی ہیں کہ جہاں ایک طرف تحریک کے عہدے داران کا احترام اور ان کے احکامات کی بجا آوری لازم ہے، وہیں دوسری طرف فرائض کی ادائیگی کے سلسلے میں عہدے داران و ذمے داران کے لیے سخت تاکیدات بھی ہیں۔ بالخصوص ماتحت اسٹاف اور دیگر تحریکی اَحباب کے ساتھ انتہائی نرمی اور شفقت بھرے رویے کی پرزور تاکید موجود ہے۔

الغرض یہ تحریر کارکنان اور عہدے داران کے ساتھ ساتھ دین کی خدمت کرنے والے ہر خادم کے لیے ایک منشور کی حیثیت رکھتی ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ ہمارے جملہ کارکنان و سربراہان اور طلبہ و طالبات ان راہنما اصولوں پر عمل پیرا ہو کر نہ صرف اپنی ذمہ داریوں کی انجام دہی کو بہتر سے بہترین بناتے ہوئے بطریقِ احسن سرخرو ہوں گے بلکہ اللہ رب العزت اور اس کے حبیبِ مکرم ﷺ کی خوشنودی سے بھی بہرہ ور ہوں گے۔

(حسن محی الدین قادری)

یکم رمضان المبارک ۱۴۳۹ھ

بابِ اوّل

کارکنان کی سیرت

اللہ رب العزت جس شخص سے محبت کرتا ہے، اس پر یہ احسان فرماتا ہے کہ اسے اپنے عطا کردہ نظامِ حیات اور دینِ متین کی خدمت کے لیے منتخب کر لیتا ہے۔ اس حوالے سے قرآنِ مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ٱللَّهُ يَجۡتَبِيٓ إِلَيۡهِ مَن يَشَآءُ وَيَهۡدِيٓ إِلَيۡهِ مَن يُنِيبُ﴾(۲).

اللہ جسے (خود) چاہتا ہے اپنے حضور میں (قربِ خاص کے لیے) منتخب فرما لیتا ہے اور اپنی طرف (آنے کی) راہ دکھا دیتا ہے (ہر) اس شخص کو جو (اللہ کی طرف) قلبی رجوع کرتا ہے ○

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ العالی کا شمار بھی ایسے ہی محبوب بندوں میں ہوتا ہے، جنہیں اللہ رب العزت نے دین کی خدمت کے لیے منتخب فرمایا ہے۔ یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کے نعلینِ پاک کے تصدق سے ہمیں اس پُر فتن دور میں آپ کی ذات بطورِ نعمت عطا ہوئی اور اس عطا کا عملی نمونہ اور مجسمہ تحریکِ منہاج القرآن ہے۔

---

(۲) الشوری، ۴۲/ ۱۳.

ا۔ تحریک اور قائدِ تحریک لازم و ملزوم ہیں

یہاں یہ سمجھنا ضروری ہے کہ منہاج القرآن پر حضور نبی اکرم ﷺ کی عطا، شیخ الاسلام کے تمسک اور نسبت ہی سے ہوئی ہے۔ اگر تحریکِ منہاج القرآن کی فکر و نظر کو نوے (۹۰) ممالک میں قائم مستحکم تنظیمی نیٹ ورک، اس کی ترقی اور اس میں کار فرما روح کو عموداً (vertically) اور اُفقاً (horizontally) ہر دو تناظر میں دیکھا جائے، تو یہ شیخ الاسلام کی ذات کی عملی شکل ہے اور اس تمام نیٹ ورک کی روحانی صورت آپ کا وجود ہے۔ گویا شیخ الاسلام روح ہیں اور منہاج القرآن اس کا جسم۔ اگر کوئی کہے کہ ہم صرف جسم سے منسلک ہو جائیں؛ روح کی کیا ضرورت ہے؟ تو جان لیں! روح کے بغیر جسم کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ دین و دنیا کی فلاح ان کے باہم مربوط رہنے میں ہے۔ اس کی حقانیت کی سب سے بڑی دلیل حضور نبی اکرم ﷺ کا درج ذیل فرمان ہے:

تَرَكْتُ فِيْكُمْ أَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوْا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا: كِتَابَ اللهِ وَسُنَّةَ نَبِيِّهِ(۳).

میں تمہارے پاس دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں، اگر تم انہیں تھامے رکھو گے تو کبھی گمراہ نہ ہوگے؛ یعنی اللہ کی کتاب اور اُس کے نبی کی سنت۔

رسول اللہ ﷺ نے ایک اور مقام پر فرمایا ہے:

---

(۳) مالك، الموطأ، كتاب القدر، باب النهي عن القول بالقدر، ٢/ ٨٩٩، الرقم/ ١٥٩٤.

إِنِّي تَارِكٌ فِيْكُمُ الثَّقَلَيْنِ: كِتَابَ اللهِ وَعِتْرَتِي(٤).

بے شک میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں: ایک اللہ تعالیٰ کی کتاب اور دوسری میرے اہلِ بیت۔

شیخ الاسلام بلا شک و شبہ اس عہدِ جدید کی ایک ایسی نعمت ہیں، جن کا ایک ہاتھ قرآن حکیم پر اور دوسرا اہلِ بیت اطہار کی دہلیز پر ہے۔ یعنی ان پر ایک طرف سے قرآنِ حکیم کے فیض کا نزول ہو رہا ہے اور دوسری طرف سے اہلِ بیت اطہار کے فیوضات کا سلسلہ جاری و ساری ہے۔ جب یہ دونوں فیض مَرَجَ الْبَحْرَيْن کی شکل اختیار کرتے ہیں تو یہ منہاج القرآن کو قاسمِ حوضِ کوثر کی بارگاہ تک لے آتے ہیں۔

یہ نکتہ قابلِ غور ہے کہ آقا علیہ السلام نے یہ نہیں فرمایا کہ جب تک 'تم' جڑے رہو اور یہ بھی نہیں فرمایا کہ محض 'تم' ہی جڑے رہو؛ بلکہ فرمایا کہ جو بھی جڑا رہے گا، جب تک جڑا رہے گا اور جس زمانے میں بھی جڑا رہے گا، اسے اِسی واسطے سے خیرات ملے گی۔ اگر ہم اسے عمیق نظر سے (microscopically) دیکھیں تو تحریکِ منہاج القرآن کی اٹھان اور ترقی در حقیقت آقا ﷺ کے در سے ملنے والی خیرات ہی ہے، جو شیخ الاسلام کے ذریعے امتِ مسلمہ کو تقسیم ہو رہی ہے۔ الغرض تحریکِ منہاج القرآن کا تنظیمی وجود ہو یا

---

(٤) ١ - أحمد بن حنبل، المسند، ٣/ ١٧، الرقم/ ١١١٤٧.

٢ - ترمذی، السنن، كتاب المناقب، باب: مناقب أهل بيت النبي ﷺ، ٥/ ٦٦٣، الرقم/ ٣٧٨٨.

٣ - أبويعلى، المسند، ٢/ ٢٩٧، الرقم/ ١٠٢١.

٤ - ابن أبي شيبة، المصنف، ٦/ ٣٠٩، الرقم/ ٣١٦٧٩.

شیخ الاسلام کی انسانیت اور عالم اسلام کے لیے کی جانے والی خدمات، ان تمام میں آقا ﷺ کے فیوضات کا ہی مظہر نظر آتا ہے۔

۲۔ شیخ الاسلام کثیر الجہات شخصیت کے مالک ہیں

اگر تاریخ کی کتب سے مجد دینِ امت کے احوال کا مطالعہ کیا جائے تو ہر زبان بے ساختہ پکار اٹھے گی کہ اللہ تعالیٰ نے شیخ الاسلام کو طیئ زمانی، طیئ لسانی، طیئ کلامی اور طیئ قلمی سے نوازا ہے اور آپ کثیر الابعاد شخصیت ہونے کی وجہ سے بیک وقت ایک عظیم محدّث، مفسر، مجتہد، متکلم، معلم، مفکر، محقق اور مصنف ہیں۔ آپ کی علمی و فکری اور تحقیقی جہات شرق تا غرب اور عرب تا عجم ایک منفرد و ممتاز مقام رکھتی ہیں۔ عقلِ سلیم سے بہرہ ور ہر صاحبِ علم آپ کے علمی مقام کا صمیمِ قلب سے معترف ہے۔ شیخ الاسلام کی علمی حلقوں میں یہ وقعت و حیثیت حضور سیدنا غوث الاعظمؓ کے فیض کی علامت ہے۔ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ علمِ لدنی سے فیض یاب ہونے کے لیے معاصرینِ وقت اور ائمہ و مجتہدین آپ کے در پر حاضر ہوتے اور اِکتسابِ فیض کے بعد وقت کے مجدّد اور محدّث کے درجے پر فائز ہوتے تھے۔ اِسی فیض کی جھلک ہمیں تحریکِ منہاج القران میں نظر آتی ہے، جو شیخ الاسلام کے مجدّدِ وقت ہونے پر مہرِ کامل ثبت کرتی ہے۔

شیخ الاسلام ایک ایسی نابغۂ عصر شخصیت ہیں کہ آج آپ کے علم و عمل، سیرت و کردار، صدق و اخلاص، جہدِ مسلسل اور زبان میں حلاوت و چاشنی کے سبب قومی و بین الاقوامی سطح پر انسانیت کی فلاح و بہبود اور خدمتِ خلق کے چشمے رواں ہیں اور تحریکِ منہاج القرآن کا مصطفوی مشن سبک رفتاری سے دنیا کے طول و عرض میں پھیل رہا ہے۔

۳۔ دنیاوی نوکری کے تقاضے

یہ بات طے شدہ ہے کہ دنیاوی نوکری کی تقرری کے کچھ تقاضے ہوتے ہیں جنہیں پورا کیے بغیر نوکری ملنا محال ہے۔ کچھ ملازمین کنٹریکٹ (contract) پر رکھے جاتے ہیں، کچھ probationary period پر اور کچھ روزانہ اجرت کی بنیاد پر۔ ان کی تقرری کے لیے باضابطہ انٹرویو کیا جاتا ہے۔ انٹرویو کے لیے آنے والے شخص کے اٹھنے بیٹھنے اور گفتگو کے انداز کو دیکھا اور پرکھا جاتا ہے کہ کہیں اس کے قول و فعل میں تضاد تو نہیں۔ پھر اس کی اہلیت اور تعلیمی دستاویزات دیکھی جاتی ہیں کہ وہ کتنا پڑھا لکھا ہے؟ تعلیم کہاں سے حاصل کی ہے؟ اس کے گریڈ اور لیول کیا ہیں؟ اس کے بعد اس کا تجربہ دیکھا جاتا ہے کہ اس نے کتنا عرصہ، کہاں اور کتنی جگہ ملازمتیں کی ہیں؟ اگر اس عرصہ میں وہ مستقل جاب کرنے کے بجائے مختلف جگہوں پر عارضی طور پر کام کرتا رہا تو اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے کہ اس میں استقامت اور مستقل مزاجی نہیں ہے۔ اسی بنا پر اس کی وفاداری سوالیہ نشان بن جاتی ہے۔ کیوں کہ ایسا شخص کسی کو بھی درکار نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ جو در در سے کھاتا ہے وہ ہر در سے دھتکارا اور ٹھکرا دیا جاتا ہے۔

بعد ازاں اس کے مختصر دورانیے کے بارے میں بھی پوچھا جاتا ہے کہ اس نے جگہ جگہ جاب کیوں کی، تو جواباً وہ اپنے دفاع میں مختلف ریفرنس دیتا ہے۔ اچھی recruitment company کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ آنے والے شخص کا پہلے سے ریفرنس چیک کر لیتی ہے۔ اس کے direct feedback پر اکتفا نہیں کرتی، بلکہ اس کی جانچ پڑتال مختلف ذرائع سے کرتی ہے کہ وہ شخص کہاں کام کرتا رہا ہے۔ پھر سابقہ کمپنی سے اس کے بارے میں پوچھا جاتا ہے تو وہ بتاتی ہے کہ اس کا کام شاندار تھا، اخلاق

اچھا تھا، لین دین کے معاملات میں ایماندار تھا، اپنے فرائض اچھی طرح نبھاتا تھا لیکن گھریلو مسائل، والدین کی بیماری اور معاشی مسائل جیسی ناگزیر وجوہات کی بنا پر جاب چھوڑ تا رہا۔ اگر دیے گئے reference کے مطابق گفتگو میں مطابقت ہوئی تو ثابت ہو جائے گا کہ وہ شخص اپنے قول میں سچا ہے۔ تمام کارروائی مکمل کرنے کے بعد بھی اس کی ملازمت مستقل نہیں کی جاتی بلکہ اسے عارضی مدت کے لیے رکھا جاتا ہے۔ مقررہ مدت کے بعد مالک اس کی کارکردگی سے مطمئن ہو کر اس سے طویل مدتی معاہدہ کر لیتا ہے۔

۴۔ دین کی نوکری کے تقاضے

دنیاوی ملازمت کی طرح خدمتِ دین کے بھی کچھ تقاضے ہوتے ہیں جنہیں پورا کرنا ازحد ضروری ہے۔ آقا ﷺ کے حکم کے مطابق شیخ الاسلام نے تحریکِ منہاج القرآن کی بنیاد رکھی۔ ان پر یہ کرم کسبی نہیں بلکہ وہبی اور عطائی تھا۔ لیکن نادان لوگ اُس وقت یہ بات نہ سمجھ سکے، کیونکہ ہر خبر، ہر شخص کے لیے نہیں ہوتی اور ہر شخص، ہر خبر کے لیے نہیں ہوتا۔ یہ ذہنی استعداد کے مطابق ہوتی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ٱلرَّحۡمَـٰنُ فَسۡـَٔلۡ بِهِۦ خَبِيرًا﴾(۵).

(وہ) رحمان ہے (اے معرفتِ حق کے طالب!) تو اس کے بارے میں کسی باخبر سے پوچھ (بے خبر اس کا حال نہیں جانتے)○

(۵) الفرقان، ۲۵/ ۵۹.

یعنی اُس خدائے رحمان کے بارے میں کوئی خاص خبر پوچھنی ہو تو کسی باخبر سے پوچھو۔ بے خبروں سے کیا پوچھنا! یہ تو باخبروں کی باتیں ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ شیخ الاسلام، حضور نبی اکرم ﷺ کے مہمان خانے کے recruiting in charge ہیں۔ یہاں تقرری اسی کی ہو گی، منصب پر وہی بیٹھے گا، عہدے پر وہی بیٹھے گا، اُسی کو ناظم بنا کر فیلڈ میں بھیجا جائے گا، وہی ریسرچ میں لکھنے پر مامور ہو گا؛ وہی دعوت و تربیت میں ہو گا، وہی ویمن لیگ کے شعبہ جات Eagers ،WOICE اور عرفان الہدایہ پراجیکٹس میں ہو گی؛ وہی ممبر شپ، ویلفیئر اور DFA میں ہو گا جو آقا ﷺ کے دین، تحریکِ منہاج القرآن اور اس کی قیادت کے ساتھ مخلص و وفادار ہو گا۔ کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ اللہ تعالیٰ کسی کی ذاتی صلاحیتوں یا اس کے پاس موجود علم و عقل کی دولت کی وجہ سے اُسے خدمتِ دین کی نوکری سونپتا ہے۔ ہر گز نہیں! وہ جسے چاہے، تمام صلاحیتیں دے کر اس سعادت سے محروم کر دے اور جسے چاہے اس کی مفلسی اور کم علمی کے باوجود اس وصف سے ہم کنار کر دے۔ ہم کس بات پر اتراتے اور کس چیز پر فخر کرتے ہیں؟ ہمیں تو یہ بھی نہیں معلوم کہ ہمیں مستقل طور پر رکھا گیا ہے یا probationary period پر۔ ہماری نااہلی اور نالائقی کی وجہ سے کہیں آپ ﷺ کی بارگاہ سے یہ پیغام نہ آجائے کہ ہمیں تمہاری نوکری پسند نہیں، تمہارا اخلاص اور قول و فعل پسند نہیں۔ پھر ہماری کیا مجال کہ ہم اس بارگاہ میں دم مار سکیں یا دین کی نوکری کر سکیں!

۵۔ صالحین کی سنگت نجات کا ذریعہ ہے

اللہ تعالیٰ کا ہم پر بہت فضل و کرم ہے کہ اس نے آج کے اس مادیت اور نفسانیت پرستی کے دور میں بھی ہمیں اللہ والوں کی صحبت و سنگت عطا کی۔ سوچیے! آج اگر

ہم کسی دنیادار کی صحبت میں ہوتے، تو ہم بھی ان کے ساتھ دنیا ہی کی محبت میں مارے مارے پھر رہے ہوتے۔ ہمارے رات دن صرف دنیا ہی کے سود وزیاں کے حساب میں بسر ہو رہے ہوتے۔ نہ ہوش و حواس ہوتا، نہ فکر و خبر۔ زندگی یونہی گزر جاتی اور جب قبر کی پہلی رات آتی تو فرشتوں کے سوالات کے سامنے بے بس ہو جاتے۔ یہ اللہ رب العزت کا احسان ہے کہ اس نے ہمیں بری صحبت سے بچایا۔ یہی وجہ ہے کہ ہم دنیاوی ناچ کود کی بجائے اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہوتے ہوئے خدمتِ دین میں مصروفِ عمل ہیں۔ آج ہم تلاوتِ قرآن کرتے ہیں، خشیتِ الٰہی میں آنسو بہاتے ہیں، محبت و عشقِ مصطفیٰ ﷺ کے ترانے الاپتے ہیں، دروسِ قرآن و حدیث اور علمی و فکری، روحانی تربیتی ورکشاپس کے اہتمام کے لیے کاوشیں کرتے ہیں۔ تجدید واحیائے دین کے لیے اپنا آرام تج کرتے ہیں۔ تو ہمیں اِس کا شعور کہاں سے ملا ہے؟ جان لیں! ہمیں یہ شعور اور علم اللہ والوں کی قربت کے سبب ملا اور یہی آخرت میں ہماری نجات کا ذریعہ ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ایک طویل حدیثِ مبارک میں ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ بِأَشَدَّ مُنَاشَدَةً لِلَّهِ فِي اسْتِقْصَاءِ الْحَقِّ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ لِلَّهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لِإِخْوَانِهِمْ الَّذِينَ فِي النَّارِ، يَقُولُونَ: رَبَّنَا كَانُوا يَصُومُونَ مَعَنَا، وَيُصَلُّونَ

وَيَحُجُّونَ. فَيُقَالُ لَهُمْ: أَخْرِجُوا مَنْ عَرَفْتُمْ، فَتُحَرَّمُ صُوَرُهُمْ عَلَى النَّارِ(٦).

قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے جو مومن نجات پا کر جنت میں چلے جائیں گے وہ اپنے ان مسلمان بھائیوں کو جو جہنم میں پڑے ہوں گے جہنم سے چھڑانے کے لیے (بطور ناز) اللہ تعالیٰ سے ایسا جھگڑا کریں گے جیسا جھگڑا کوئی شخص اپنا حق مانگنے کے لیے بھی نہیں کرتا اور اللہ تعالیٰ کی جناب میں عرض کریں گے: اے ہمارے رب! یہ لوگ ہمارے ساتھ روزے رکھتے تھے، ہمارے ساتھ نمازیں پڑھتے تھے، ہمارے ساتھ حج کرتے تھے، ان سے کہا جائے گا جن لوگوں کو تم پہچانتے ہو ان کو دوزخ سے نکال لو، ان لوگوں پر دوزخ کی آگ حرام کر دی جائے گی۔

نیک صحبت سے نہ صرف دنیا بلکہ آخرت بھی سنورتی ہے۔ جس طرح منہاج القرآن کے ایک خدمت گزار مستانہ کی دنیا و آخرت، صحبتِ صلحاء کی وجہ سے سنور گئی۔ دیکھا جائے تو اس کے پاس نہ عہدہ تھا نہ کوئی منصب۔ وہ فقط محبوب کا ایک دیوانہ و مستانہ تھا۔ اس نے اپنی ساری زندگی محبوب کو خوش کرنے میں گزار دی۔ وہ بکریاں چراتا اور منہاج القرآن کی صفائی کرتا۔ آقا کی محفل میں رقص و وجد کرتا۔ کبھی عشق و مستی میں ماہیے اور اشعار پڑھتا۔ اگرچہ اس کی آواز میں سُر نہ تھا مگر دل میں جو اخلاص تھا وہ کہیں

(٦) مسلم، الصحيح، كتاب الإيمان، باب معرفة طريق الرؤية، ١/ ١٦٩، الرقم/ ١٨٣.

زیادہ تھا۔ وہ اکثر اوقات لوگوں سے اپنے محبوب (شیخ الاسلام) کے بارے میں پوچھتا: 'سجناں نیں کدوں آنا اے؟' اس کی اپنی محبت بھری بولی تھی۔ اس سے کسی نے پوچھا کہ آپ ہر وقت یہ کیوں پوچھتے ہو؟

دیوانے نے کہا: 'سجن آن گے تے میرا جنازہ پڑھاون گے'۔

اس سے پوچھا گیا کہ تمہیں کیسے معلوم کہ تم نے کب مرنا ہے؟

دیوانے نے کہا: 'میں مرنا ای اودوں وے جدوں اونہاں نے ایتھے ہوناں اے'۔

قربان جائیں! اس کے صدقِ دل اور وفاداری پر کہ جب اس کا وقتِ آخر آیا تو وہ میلادِ پاک کی رات تھی۔ اس رات وہ قصیدہ بُردہ شریف اور نعت خوانی پر بے خودی میں وجد کرتے ہوئے زمین پر گرا اور اپنے پاس موجود مشرف شاہ صاحب کو ایک جملہ بولا اور وہ جملہ یہ تھا:

'سجناں نوں کہنا میرا جنازہ پڑھا دین'۔

بس اتنا جملہ بولا اور اس کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ یہ اس کے عشق کا منہ بولتا ثبوت تھا کہ جب وقتِ آخر آیا تو اس کے محبوب شیخ الاسلام پاکستان میں موجود تھے۔ انہوں نے سیکڑوں لوگوں کے ہمراہ اپنے محب کی نہ صرف نمازِ جنازہ پڑھائی بلکہ اس کی میت کو کاندھا بھی دیا۔ ہم سے تو وہ محب ہی اچھا نکلا جو اپنے محبوب کے عشق میں فنا ہو کر اپنی دنیا و آخرت سنوار گیا۔

اسی طرح سیدنا ابراہیم بن ادھم کو عبدیتِ خداوندی کا سبق ایک عاشق خدمت گار غلام سے ملا۔ جب آپ نے پوچھا: اے بندے تیرا نام کیا ہے؟

کہتا ہے: مالک جس نام سے پکارے وہی میرا نام ہے۔

پھر پوچھا: یہ بتا کہ تو کھاتا پیتا کیا ہے؟

عرض کیا: جو میرا مالک کھلائے، وہی میں کھاتا ہوں۔

پوچھا: تیری کوئی خواہش ہے؟ اس نے کہا: غلاموں کی بھی کوئی خواہش ہوتی ہے؟ جو میرے مالک کی خواہش، وہی میری خواہش۔

یہ سن کر سیدنا ابراہیم بن ادھم اللہ کے حضور جھک گئے کہ اے میرے مالک! ایک زر خرید غلام کی یہ ادا ہے کہ اپنے مالک کا اس قدر وفادار ہو گیا۔ کاش! میں بھی یونہی مالکِ کائنات کا وفادار غلام ہوتا(۷)۔

۶۔ عمل کی اپنے بساط کیا ہے؟

ہماری خوش قسمتی ہے کہ شیخ الاسلام نے ہم سب کو اس مہمان خانے کا نوکر بنا دیا ہے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور عطا ہے۔

﴿يُؤْتِيهِ مَن يَشَآءُ ۚ﴾(۸).

وہ جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔

ہم کون ہوتے ہیں اترا کے چلنے والے! بڑے بڑے اترانے والے اور گھمنڈ کرنے والے آئے اور اس دنیاے فانی سے کوچ کر گئے۔ یہ بات کبھی نہ بھولیں کہ جس

---

(۷) فريد الدين عطار، تذكرة الأولياء/ ٦٤.

(۸) آل عمران، ۳/ ۷۳.

عہدے پر آج ہم ہیں، کل اسی عہدے پر کوئی اور ہو گا۔ حبیب جالبؔ نے دنیا کی بے ثباتی کے حوالے سے کیا خوب کہا ہے۔ ذرا غور کیجیے:

تم سے پہلے وہ جو اک شخص یہاں تخت نشیں تھا
اُس کو بھی اپنے خدا ہونے پہ اتنا ہی یقیں تھا

یہ منصب ہمارے نہیں ہیں۔ یہ کرسی ہماری نہیں ہے۔ یہ جو کچھ بھی ہے سب ربِ کائنات، ستار العیوب اور غفور و رحیم کا ہے۔ انسانی عمل کے مقابلے میں ہم اگر ربِ کائنات کی عنایات اور ستر پوشیوں پر نظر ڈالیں تو بے ساختہ ماننا پڑے گا کہ وہ مالک کتنا غفور اور رحیم ہے کہ ہم جیسے ناکارہ اور نااہل لوگوں کو اپنے دین کی خدمت کا موقع عطا فرمایا ہے۔ حالانکہ ہم بندگی میں ناقص ہیں، علم و عمل میں نکمے ہیں، سیرت و کردار میں غلیظ ہیں؛ الغرض کسی اعتبار سے بھی اس قابل نہیں کہ دین کی نوکری کر سکیں۔

وہ جس کو چاہے بڑے منصب سے نواز دے۔ یاد رکھیں! جتنا منصب بڑا ہو گا اتنی پوچھ گچھ زیادہ ہو گی۔ دیکھنے میں آیا ہے کہ جب ہمیں کسی بڑے عہدے یا منصب سے نوازا جاتا ہے، تو ہمارا عمل یہ ہوتا ہے کہ ہم ایک دن کام صحیح کرتے ہیں تو دوسرے دن کوتاہی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ شیخ الاسلام آ جائیں تو چوکنے ہو جاتے ہیں۔ ڈیپارٹمنٹ متحرک ہو جاتے ہیں اور ان کے سامنے بعض لوگ اس طرح ظاہر کر رہے ہوتے ہیں کہ ان سے زیادہ پاک دامن کوئی نہیں۔ ایسے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں جیسے ان سے زیادہ باادب کوئی نہیں۔ ایسی شیریں اور پیار بھری گفتگو کرتے ہیں جیسے ان سے زیادہ بااخلاق اور وفادار کوئی نہیں۔ دراصل جو کچھ ظاہری طور پر نظر آ رہا ہوتا ہے بعض

اوقات وہ حقیقت نہیں ہوتی۔ حقیقت تو وہ ہوتی ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَإِن تُبۡدُواْ مَا فِيٓ أَنفُسِكُمۡ أَوۡ تُخۡفُوهُ يُحَاسِبۡكُم بِهِ ٱللَّهُ﴾(۹).

وہ باتیں جو تمہارے دلوں میں ہیں خواہ انہیں ظاہر کرو یا انہیں چھپاؤ اللہ تم سے اس کا حساب لے گا۔

گویا اللہ تعالیٰ ہمارے ظاہری اور باطنی اعمال سے باخبر ہے۔ وہ رگِ جان سے بھی زیادہ قریب ہے۔

۷۔ محبوب کی نگاہِ اِلتفات ہٹ جانے کا خوف

یاد رکھیں! شیخ و مربی سے محبت، حیاء اور وفا ہمیشہ اس کی غیر موجودگی میں ہوتی ہے۔ سامنے تو فقط نوکری کے چلے جانے کا ڈر اور خوف ہوتا ہے۔ کوشش کرنی چاہیے کہ ہمارے کسی بھی غلط عمل سے محبوب کی نگاہِ التفات ہم سے نہ ہٹ جائے اور وہ کہیں ہمیں اپنی نوکری سے نہ نکال دے۔ ندامت اور خوف کا یہ احساس محبت کے بغیر پیدا نہیں ہو سکتا اور یہی محبت محب کو ہمہ وقت محبوب کی رضا اور اس کی خدمت میں مصروفِ عمل رکھتی ہے۔

(۹) البقرة، ۲/ ۲۸٤.

ہم پر لازم ہے کہ مرکزی سیکرٹریٹ تحریک منہاج القرآن کی صورت میں موجود آقا ﷺ کے مہمان خانہ اور تحریک منہاج القرآن کی صورت میں موجود آقا ﷺ کے مشن میں جو بھی آئے، اس سے محبت اور پیار سے پیش آئیں نہ کہ اسے اپنے رویہ سے دور کر دیں۔ مثال کے طور پر اگر ایک غریب اور مخلص کارکن دور دراز سے سفر کر کے ہمارے پاس آتا ہے۔ تھکاوٹ اور بھوک سے چُور ہو کر ہم تک پہنچتا ہے تو ہم اسے خوش آمدید کہنے کی بجائے یہ کہہ کر مایوس کر دیں کہ آپ اجازت لیے بغیر اندر کیوں آئے؟ اس لمحے اس غریب کے دل پر کیا گزرتی ہو گی۔ خدارا! اس کی آہ سے ڈریں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم حضور ﷺ کی بارگاہ سے دھتکار دیے جائیں۔ کیونکہ آپ ﷺ کو ایسا شخص نہیں چاہیے، جو آپ ﷺ کے مہمان خانے اور آپ ﷺ کے مشن کا حیانہ کرتا ہو۔ ہمارا تو عمل یہ ہونا چاہیے کہ جب کوئی غریب کارکن آئے تو اسے ہم محبت سے پوچھیں کہ اے میرے بھائی! آپ کہاں سے آئے ہیں؟ اس کی دل جوئی کرتے ہوئے اپنے ساتھ آفس میں بٹھائیں۔ خیریت پوچھیں، اسے کھانا کھلائیں اور اس کے آرام کا انتظام و انصرام کریں تاکہ واپس لوٹتے وقت نہ صرف اس کی زبان سے دعائیں نکلیں بلکہ مشن اور مشن کے ذمہ داران پر اس کے یقین کو مزید استحکام ملے۔

۸۔ ذاتی بغض و عناد ایک زہرِ قاتل ہے

اکثر آپس میں جھگڑے اور فساد ہمارے غیر اخلاقی رویے، ذاتی بغض و عناد اور دوسروں کی شکایات لگانے کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ ہم ظاہراً نام تو حضور ﷺ کے مشن اور دین کا لیتے ہیں، جب کہ پسِ پردہ معاملہ ہماری انا کا ہوتا ہے۔ اسی طرح بعض اوقات دورانِ سروس کسی شخص کے علم و عمل، سیرت و کردار، عقل و تدبر یا فرض شناسی میں

تھوڑا سا نقص واقع ہو جائے تو ذاتی رنجش کی وجہ سے وہ شخص ہمارے لیے ناقابلِ برداشت ہو جاتا ہے اور ہم اسے ذمہ داری سے ہٹا دیتے ہیں۔

ہم انسان ہو کر دوسرے انسان کی غفلت یا نقص برداشت نہیں کرتے حالاں کہ ہم آج جس عہدے پر متمکن ہیں یہ فقط اللہ کا فضل و کرم ہے کہ اس نے ہمیں دین کی نوکری عطا کی ہے۔ وہ مالک ہے، وہ چاہے تو ابو جہل اور ابو لہب جیسے قریشی سرداروں کو دھکے دے کر اپنی بارگاہ سے بے دین اور کافر کر کے نکال دے اور چاہے تو حبشہ سے ایک سیاہ فام غلام بلال رضی اللہ عنہ کو اٹھا کر اُمّت کا سردار بنا دے۔ وہ چاہے تو منافقوں کے سردار عبد اللہ بن اُبی کو جہنم رسید کر دے اور چاہے تو فارس سے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو لا کر مدینہ کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں اعلیٰ مقام عطا فرما دے۔ ہم کون ہوتے ہیں! کسی کو اس کی ادنیٰ سی کوتاہی، کمی اور کجی کی وجہ سے نوکری سے نکالنے والے؟ پھر جب ہم سے اسے ذمہ داری سے ہٹانے کا سبب پوچھا جاتا ہے تو ہم ذاتی بغض کی بنا پر کہتے ہیں کہ فلاں شخص کسی کام کا نہیں، کاہل اور سست ہے، اس لیے اسے نوکری سے نکال دیا۔ ہمیں یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ کسی سے ذاتی بغض و عناد کی وجہ سے انتقام لینا انتہائی ناپسندیدہ عمل ہے۔ احادیثِ مبارکہ میں اس کی ممانعت آئی ہے۔ سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: اَلرَّجُلُ يُقَاتِلُ حَمِيَّةً، وَيُقَاتِلُ شَجَاعَةً، وَيُقَاتِلُ رِيَاءً. فَأَيُّ ذَالِكَ فِي سَبِيْلِ اللهِ؟ قَالَ: مَنْ قَاتَلَ لِتَكُوْنَ كَلِمَةُ اللهِ هِيَ الْعُلْيَا فَهُوَ فِي سَبِيْلِ اللهِ(۱۰).

ایک شخص نے حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں آکر عرض کیا: ایک شخص (اپنے خاندان و قبیلہ کی) غیرت و حمیت کی خاطر لڑتا ہے، اور (ایک شخص) شجاعت و بہادری کے جوہر دکھانے کی خاطر لڑتا ہے، اور (ایک شخص) ریاکاری کے لیے لڑتا ہے۔ ان میں سے کون اللہ تعالیٰ کی راہ میں (جہاد کرنے والا) ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جو شخص اللہ تعالیٰ کے دین کی سربلندی کے لیے (اللہ کے نازل کردہ نظامِ حیات کے فروغ کے لیے مخالف قوتوں سے) لڑتا ہے وہی اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑنے والا ہوتا ہے۔

اسی طرح جہاد میں سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا مبارک عمل دیکھیے کہ ایک کافر آپ کے قبضہ میں آگیا۔ قریب تھا کہ آپ کی تلوار اس کے آر پار ہو کر اسے واصلِ جہنم کر دیتی۔ اسی اثنا میں اس نے غصے میں آکر آپ کے چہرۂ اقدس پر تھوک دیا۔ آپ نے اسی لمحے اپنی تلوار ہٹالی۔ اس کافر نے پوچھا: اے علی! میں آپ کے قبضے میں تھا، چھوڑ کیوں دیا؟ فرمایا: اس وقت تمہارے تھوکنے کی وجہ سے میرے نفس میں ذاتی انتقام اور غصہ شامل

---

(۱۰) بخاری، الصحیح، کتاب التوحید، باب قوله تعالی: ﴿وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا ٱلْمُرْسَلِينَ﴾، ٦/ ٢٧١٤، الرقم/ ٧٠٢٠.

ہو گیا تھا۔ مجھے گمان ہوا کہ کہیں میں درجۂ جہاد سے پیچھے نہ ہٹ جاؤں اس لیے تمہیں چھوڑ دیا(۱۱)۔

مذکورہ بالا روایات کی روشنی میں ہمیں چاہیے کہ ہم عملی قدم اٹھاتے ہوئے اپنی نیتوں کو ہمیشہ کے لیے پاکیزہ کر لیں۔ جو کام بھی کریں خالصتاً اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی خاطر کریں۔ نفس پر قابو پا کر اپنے ظرف کو وسیع اور کشادہ کریں۔ اپنے اندر قبولیت اور دوسروں کے لیے نرمی کا مادہ پیدا کریں۔ قرآنِ حکیم میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کے اوصاف بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ﴾(۱۲).

آپس میں بہت نرم دل اور شفیق ہیں۔

پس ہمیں صحابہ کرام کی اِس صفت سے اپنے آپ کو متصف کرنا ہو گا۔

اسی محبت، نرمی اور شفقت کی طرف آقا ﷺ نے یوں تلقین فرمائی کہ:

إِنَّ اللهَ يُحِبُّ الرِّفْقَ فِي الْأَمْرِ كُلِّهِ(۱۳).

اللہ تعالیٰ ہر کام میں نرمی کو پسند فرماتا ہے۔

---

(۱۱) محمد بن علي بن طباطبا، الفخري في الآداب السلطانية والدول الإسلامية/ ٤٤.

(۱۲) الفتح، ٤٨/ ٢٩.

(۱۳) بخاری، الصحيح، كِتَابُ الْأَدَبِ، بَاب الرِّفْقِ فِي الْأَمْرِ كُلِّهِ، ٥/ ٢٢٤٢، الرقم/ ٥٦٧٨.

وہ شفقت کو پسند کرتا ہے، آسانی کو پسند کرتا ہے، وہ سوز و گداز کو پسند کرتا ہے۔ لوگوں کے لیے آسانیوں کو پسند فرماتا ہے نہ کہ مشکلات کو۔

ہمیں بھی دوسروں کے لیے آسانیاں پیدا کرنی ہے۔ حضور ﷺ کے نوکروں کا Bureaucratic attitude نہیں ہوا کرتا۔ 'نوکر کیہہ تے نخرہ کیہہ'۔ غلامی میں نخرہ کیسا! اس لیے اگر کوئی ہمارے پاس آجائے تو اس کے لیے جھک جایا کریں۔ اس کے لیے پیکرِ عفو و درگزر بن جایا کریں۔ امیر اور اچھی دنیاوی حیثیت کے حاملین اور غریب و متوسط درجے کے حاملین سے سلوک میں فرق ہمارا وطیرہ نہیں ہونا چاہیے۔ ایسا ہرگز نہیں کرنا چاہیے کہ کوئی عمدہ پرفیوم لگا کر، well dressed ہو کر آجائے تو sir، sir کہتے ہوئے اپنی کرسی سے اٹھ کر اسے گلے لگالیں اور اگر کوئی بے بس و ناتواں آجائے تو اسے گلے ملنا تو درکنار، دور ہی سے کہہ دیں کہ بیٹھ جاؤ۔ اس بیچارے کو تو ہم کھانے کا بھی نہیں پوچھتے اور کسی معروف شخصیت کے آنے پر مختلف انواع کے کھانے پیش کرتے ہیں۔ ہونا تو یہ چاہیے کہ غریب کو زیادہ دیں اور صاحبِ حیثیت کو اتنا دیں، جتنا کہ ہم کھارہے ہیں۔ مصطفوی مشن سے وابستہ کوئی بھی فرد جہاں بھی ہے خواہ وہ مرکز پر خدمات سرانجام دے رہا ہے یا کسی بھی تنظیمی نیٹ ورک کا حصہ ہے، اُسے سوچنا ہوگا کہ ہمیں جو مقام حاصل ہوا ہے یہ خالصتاً حضور ﷺ کا کرم ہے۔ ہمیں ایاز بن کر ہر روز اپنے قلب و نظر کا صندوق کھول کر دیکھنا چاہیے کہ جب ہم مشن میں آئے تھے تو ہمیں بولنا نہیں آتا تھا، کسی سے بات بھی کرنا نہیں آتی تھی۔ ہمارے پاس ابلاغ نہیں تھا اور قلم اٹھاتے تھے تو لکھنا نہیں آتا تھا، دعوت دیتے تھے تو کوئی متاثر نہیں ہوتا تھا اور آج اگر پانچ سو کا مجمع واہ! واہ! کر رہا ہے تو یہ پذیرائی ہمیں فقط اللہ اور اس کے حبیب ﷺ کے تصدق اور شیخ الاسلام کی بدولت نصیب ہوئی ہے۔ اس لیے ہم پر لازم ہے کہ اس کا ایسا شکر ادا کریں جیسا شکر ادا کرنے کا حکم اور حق ہے۔

۹۔ ہر نیک عمل باعثِ صدقہ ہے

صدقہ صرف اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کا نام نہیں بلکہ انسان کا ہر وہ نیک عمل صدقہ کہلاتا ہے جسے بجا طور پر قربِ الٰہی اور رضائے مصطفیٰ ﷺ کی غرض و غایت کے پیشِ نظر بحسن وخوبی سرانجام دیا جائے۔ حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

لَيْسَ مِنْ نَفْسِ ابْنِ آدَمَ إِلاَّ عَلَيْهَا صَدَقَةٌ فِي كُلِّ يَوْمٍ طَلَعَتْ فِيْهِ الشَّمْسُ.

ہر روز، جس میں سورج طلوع ہے، ہر انسان پر صدقہ لازم ہے۔

عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! ہم میں ہر ایک کے پاس صدقہ کے لیے سامان کہاں ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ أَبْوَابَ الْخَيْرِ لَكَثِيْرَةٌ: التَّسْبِيْحُ وَالتَّحْمِيْدُ وَالتَّكْبِيْرُ وَالتَّهْلِيْلُ، وَالْأَمْرُ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْيُ عَنِ الْمُنْكَرِ (١٤).

نیکی کے بہت دروازے ہیں۔ سُبْحَانَ اللهِ، الْحَمْدُ لله، اللهُ أَكْبَر، لَا إِلٰهَ إِلَّا الله کہنا، نیکی کا حکم دینا اور برائی سے منع کرنا (صدقہ ہی ہے)۔

پھر فرمایا:

---

(١٤) ابن حبان، الصحيح، ٨/ ١٧١، الرقم/ ٣٣٧٧.

تُمِيْطُ الْأَذَى عَنِ الطَّرِيْقِ، وَتُسْمِعُ الْأَصَمَّ.

راستے سے تکلیف دہ شے کا ہٹانا اور بہرے کو بات سنوانا (بھی صدقہ ہے)۔

یعنی کسی گونگے اور بہرے کو بات سمجھانا بھی صدقہ ہے۔ بہرہ سن نہیں سکتا، اسے سنوانے کے لیے بڑے جتن کرنے پڑتے ہیں۔ Sign language سیکھنا پڑتی ہے اور اسے اشاروں سے سمجھانا پڑتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس کو سمجھانے میں آدھا دن لگ جائے۔ ہمارے ذہن میں یہ خیال آسکتا ہے کہ اس طرح تو ہمارا وقت ضائع ہو گا۔ ہر گز نہیں! ہم نے جس صبر و تحمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کو وقت دیا، یہاں تک کہ وہ بات سمجھنے کے قابل ہو گیا۔ اس سے بڑی نیکی کی بات اور کیا ہو گی! شاعرِ مشرق علامہ اقبال نے کیا خوبصورت بات کی ہے:

خدا کے بندے تو ہیں ہزاروں، بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
میں اُس کا بندہ بنوں گا جس کو، خدا کے بندوں سے پیار ہو گا

اصل میں یہ بھی صدقہ ہی کی ایک قسم ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے پھر فرمایا:

وَتَهْدِي الْأَعْمَى، وَتَدُلُّ الْمُسْتَدِلَّ عَلَى حَاجَتِهِ(١٥).

نابینا کو راستہ بتانا اور راہنمائی چاہنے والے کو راہنمائی دینا (بھی صدقہ ہے)۔

جس معاشرے میں ہم سانس لے رہے ہیں یہ سماعت رکھنے کے باوجود بہرہ اور بصارت رکھنے کے باوجود اندھا ہے۔ یاد رکھیں! کچھ لوگ ظاہری بہرے ہوتے ہیں اور

(١٥) ابن حبان، الصحيح، ٨/ ١٧١، الرقم/ ٣٣٧٧.

کچھ لوگ باطنی۔ کچھ ظاہری اندھے ہوتے ہیں اور کچھ باطنی۔ اللہ رب العزت کا یہ فرمان باطنی اندھے اور بہرے لوگوں کے لیے ہی ہے۔ ارشاد فرمایا:

﴿لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا﴾(١٦).

وہ دل (و دماغ) رکھتے ہیں (مگر) وہ ان سے (حق کو) سمجھ نہیں سکتے اور وہ آنکھیں رکھتے ہیں (مگر) وہ ان سے (حق کو) دیکھ نہیں سکتے۔

منہاج القرآن بیک وقت ظاہری اور باطنی دونوں طرح کے اندھوں اور بہروں کو بیدارئِ شعور دے کر منزلِ مقصود تک پہنچانے کا فریضہ سرانجام دے رہا ہے۔ یہ بہت بڑا صدقہ ہے۔

رہنمائی چاہنے والے کی رہنمائی کرنا بھی صدقہ ہے۔ کوئی شخص کسی بھی حوالے سے رہنمائی کا طالب ہو تو یوں نہیں کہنا چاہیے کہ میرے پاس وقت نہیں ہے بلکہ تھوڑی دیر کے لیے یہ سوچنا ضروری ہے کہ یہ حضور علیہ السلام کے مہمان خانے میں آیا ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم اُسی وقت اس کی رہنمائی کرتے ہوئے اس کی مشکل حل کریں۔ جس دن ہم میں سے ہر شخص نے لوجہ اللہ یہ کام شروع کر دیا تو یقیناً ہمارے اس عمل سے نہ صرف خدا و مصطفیٰ ﷺ خوش ہوں گے بلکہ ہمیں راتوں کی نیند میں بھی وہ سکون میسر ہو گا جو ہماری زندگیوں سے ختم ہو چکا ہے۔ محسنِ انسانیت ﷺ نے فرمایا ہے:

---

(١٦) الأعراف، ٧/ ١٧٩.

وَتَسْعَى بِشِدَّةِ سَاقَيْكَ مَعَ اللَّهْفَانِ الْمُسْتَغِيْثِ.

اپنی ٹانگوں کی ساری توانائی استعمال کرتے ہوئے مظلوم فریادی کی مدد کو جانا (صدقہ ہے)۔

ہم میں سے جو بھی گھر کی پریشانی کے باوجود فیلڈ میں دعوت و تبلیغ، مشن کی خدمت اور مظلوم کی داد رسی کی خاطر اپنی ساری توانائیاں صرف کرے تو آقا ﷺ نے فرمایا: اسے بوجھ نہ سمجھو، بلکہ یہ صدقہ ہے۔

پھر فرمایا:

وَتَحْمِلُ بِشِدَّةِ ذِرَاعَيْكَ مَعَ الضَّعِيْفِ. فَهٰذَا كُلُّهُ صَدَقَةٌ مِنْكَ عَلَى نَفْسِكَ(١٧).

اور اپنی پوری قوتِ بازو سے کمزور وناتواں کی مدد کرنا۔ یہ سب تمہاری طرف سے تمہاری جان کے لیے صدقہ ہیں۔

اگر کوئی تنظیم ہمیں اپنے شہر میں دعوتِ دین اور درس قرآن کے لیے بلاتی ہے تو ہمیں اِن امور سے قطع نظر کہ وہ جگہ کتنی دور ہے، کتنا کرایہ لگے گا، کتنا پروٹوکول ملے گا، سٹیج کتنا بڑا ہو گا، مجمع کتنا ہو گا، واہ واہ کتنی ہو گی اور شہرت کتنی ہو گی؟ لوجہ اللہ آگے بڑھنا ہو گا۔ اگر ہم نے دنیاوی حساب و کتاب کی بجائے خالصتاً اللہ کی رضا کے لیے سفری

(١٧) ابن حبان، الصحیح، ٨/ ١٧١، الرقم/ ٣٣٧٧.

صعوبتوں اور پریشانیوں کو برداشت کر کے دعوتِ دین کا پیغام گھر گھر پہنچایا تو آقا علیہ السلام کے فرمان کے مصداق یہ بھی صدقہ کے زمرے میں شامل ہے۔

۱۰۔ انسانی جسم میں موجود ہر جوڑ کا حقِ بندگی

جس شخص نے مذکورہ بالا اَعمال کی انجام دہی کے ذریعے جسم کے جوڑوں کا حق ادا کیا، اسے آقا علیہ السلام نے جہنم سے آزادی کی خوش خبری سنائی ہے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:

إِنَّه، خُلِقَ كُلُّ إِنْسَانٍ مِنْ بَنِي آدَمَ عَلَى سِتِّيْنَ وَثَلَاثِ مِائَةِ مَفْصِلٍ. فَمَنْ كَبَّرَ اللهَ، وَحَمِدَ اللهَ، وَهَلَّلَ اللهَ، وَسَبَّحَ اللهَ، وَاسْتَغْفَرَ اللهَ، وَعَزَلَ حَجَرًا عَنْ طَرِيْقِ النَّاسِ، أَوْ شَوْكَةً أَوْ عَظْمًا عَنْ طَرِيْقِ النَّاسِ، وَأَمَرَ بِمَعْرُوْفٍ أَوْ نَهٰى عَنْ مُنْكَرٍ، عَدَدَ تِلْكَ السِّتِّيْنَ وَالثَّلَاثِ مِائَةِ السُّلَامَى. فَإِنَّهُ يَمْشِي يَوْمَئِذٍ وَقَدْ زَحْزَحَ نَفْسَهُ عَنِ النَّارِ(١٨).

ہر انسان کی تخلیق تین سو ساٹھ جوڑوں کے ساتھ ہوئی ہے۔ جو شخص ایک دن میں اپنے جسم کے ان تین سو ساٹھ جوڑوں کی تعداد کے برابر اَللّٰهُ أَكْبَر،

(١٨) مسلم، الصحيح، كِتَابُ الزَّكَاةِ، بَابُ بَيَانِ أَنَّ اسْمَ الصَّدَقَةِ يَقَعُ عَلَى كُلِّ نَوْعٍ مِنْ الْمَعْرُوفِ، ٢/ ٦٩٨، الرقم/ ١٠٠٧.

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ، لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، سُبْحَانَ اللهِ اور أَسْتَغْفِرُ اللهَ کہتا ہے، لوگوں کے راستے سے پتھر یا کانٹے یا ہڈی کو ہٹا دیتا ہے، نیکی کا حکم دیتا ہے یا برائی سے روکتا ہے، تو اُس دن وہ اس طرح چل رہا ہوتا ہے کہ اس نے اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچا لیا۔

ضمنی طور پر یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ اس حدیث مبارک سے حضور ﷺ کے علم کی شان بھی نکھر کر سامنے آتی ہے اور وہ یہ کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے چودہ سو سال پہلے فرمایا تھا کہ ایک انسان کے اندر تین سو ساٹھ (۳۶۰) جوڑ ہوتے ہیں۔ ایک وہ وقت تھا جب سائنس انسانی جسم کے محض ۳۴۰ جوڑوں کو تسلیم کرتی تھی۔ پھر سائنس دانوں نے آقا علیہ السلام کی کہی ہوئی بات پر ریسرچ کی تو انہیں ادراک ہوا کہ اللہ رب العزت نے انسانی جسم کے دو کانوں میں چھوٹے چھوٹے ۲۰ جوڑ بنائے ہیں جنہیں وہ miss کر گئے تھے۔ حال ہی میں acupuncture science اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ واقعتاً انسانی جسم تین سو ساٹھ (۳۶۰) جوڑوں پر مشتمل ہے۔

اس حدیثِ مبارک سے پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک سال میں تقریباً ہر جوڑ کے مقابلے میں ایک دن رکھ دیا اور بتا دیا کہ جتنے جسم کے جوڑ ہیں اتنا ہی عدد تمہارا تسبیح و تہلیل - سبحان اللہ اور لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ - کہنے اور توبہ و استغفار کے لیے ہو۔ اسی طرح راستے سے تکلیف دہ چیز کو دور کرنے، معاشرے کی رکاوٹوں کو ہٹانے، ظلم کے خلاف کھڑے ہونے، کلمۂ حق بلند کرنے اور کسی دکھی کے دکھ درد کا مداوا کرنے کے لیے ہو۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ سال کے ۳۶۵ دنوں میں سے ہر دن کو جسم کے ہر جوڑ کے لیے وقف کر دیں تا کہ جسم کے تمام جوڑوں کا حقِ بندگی ادا ہو سکے۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے دین کی نوکری کرنے والے خدمت گزاروں کو بہت بڑے اجر کی خوش خبری سنائی ہے۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

مَنْ رَابَطَ فِي سَبِيْلِ اللهِ يَوْمًا وَلَيْلَةً، كَانَتْ لَهُ كَصِيَامِ شَهْرٍ وَقِيَامِهِ.

جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں ایک دن اور ایک رات چوکس رہتا ہے، وہ ایسا ہے جیسے اس نے ایک ماہ روزے رکھے اور قیام کیا۔

یعنی جس نے ایک دن اور رات alert ہو کر دین کی نوکری کی ہو تو اللہ کی بارگاہ میں اُس کی مقبولیت ایک ماہ کے روزے اور ایک ماہ قیام اللیل کے برابر ہو گی۔ پھر فرمایا:

فَإِنْ مَاتَ جَرَى عَلَيْهِ عَمَلُهُ الَّذِي كَانَ يَعْمَلُ، وَأَمِنَ الْفَتَّانَ وَأُجْرِيَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ(١٩).

اگر کوئی شخص اس دوران فوت ہو جائے تو اس کے نامۂ اعمال میں ان اعمال کا اندراج جاری رہتا ہے جنہیں وہ سر انجام دیا کرتا تھا اور وہ (منکر و نکیر کی) آزمائش سے محفوظ رہتا ہے اور اس کے لیے (اُخروی) رزق کا حکم صادر کر دیا جاتا ہے۔

---

(١٩) مسلم، الصحيح، كِتَابُ الْإِمَارَةِ، بَابُ فَضْلِ الرِّبَاطِ فِي سَبِيلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ، ٣/ ١٥٢٠، الرقم/ ١٩١٣.

معلوم ہوا کہ جس نے تجدیدِ دین اور اِحیائے اسلام کے مشن پر کار بند تحریکِ منہاج القرآن کے کسی بھی پلیٹ فارم پر یا اجتماعات میں ایک رات اور ایک دن نوکری کی، تو اُس کا اجر ایک ماہ کے روزے اور ایک ماہ کا قیام اللیل ہے۔ اِس دوران میں اگر اسے موت آگئی تو اس کا اجر جاری رہے گا۔ سانحہ ماڈل ٹاؤن کے شہداء کو سلام ہو کہ وہ حضور نبی اکرم ﷺ کے دین کی نوکری کرتے ہوئے شہید ہوئے اور انہیں اس کا اجر مسلسل ملتا رہے گا۔

مذکورہ بالا حدیثِ مبارک کی روشنی میں اگر اس کی calculation کی جائے تو جس شخص نے ایک مہینہ نوکری کی، اسے نو سو (۹۰۰) روزے اور قیام اللیل کا اجر مل گیا۔ اگر وہ ایک سال کرتا رہا تو دس ہزار آٹھ سو (۱۰،۸۰۰) روزے اور قیام اللیل کا ثواب اُسے مل گیا۔ اگر دس سال استقامت سے مشن کی خدمت کرتا رہا تو ایک لاکھ آٹھ ہزار (۱،۰۸،۰۰۰) روزوں اور قیام اللیل کا اجر اُسے مل گیا۔ اگر وہ بیس سال کرتا رہا تو دو لاکھ سولہ ہزار (۲،۱۶،۰۰۰) روزوں اور قیام اللیل کا اجر اُس کے نامۂ اعمال میں لکھ دیا گیا ہے۔

اس طرح اسے انسانی جسم میں موجود ۳۶۰ جوڑوں میں سے ہر جوڑ کے برابر اجر مل رہا ہے۔ اگر ہم دس سال سے نوکری کر رہے ہیں تو اندازہ کریں کہ کس قدر بے پناہ اجر بنتا ہے۔ کیا ہم کبھی اتنے روزے رکھ سکتے ہیں؟ کیا ہم کبھی قیام اللیل کا حق ادا کر سکتے ہیں؟ وہ قیام اللیل جس کا ہمیں حتمی علم نہیں کہ قبول بھی ہو گا یا نہیں؛ جب کہ یہاں خدمتِ دین کی وجہ سے گارنٹی شدہ قیام اللیل اور روزوں کا اجر مل رہا ہے۔ اسی طرح جن کی ساری زندگی دین کی خدمت میں گزری ہو تو ان کے اجر و ثواب کا عالم کیا ہو گا؟

یہ تو صرف ایک عمل کا اجر ہے۔ پھر جو درود و سلام پڑھتے ہیں، جہاد کرتے ہیں، صبر کرتے ہیں، تقویٰ اختیار کرتے ہیں، امانت کی حفاظت کرتے ہیں اور امر بالمعروف و

نہی عن المنکر کرتے ہیں، انہیں بارگاہِ الٰہی سے ہر عمل کا الگ الگ اجر ملتا ہے۔ اگر اسے شمار کیا جائے تو ہم اپنے نامۂ اعمال میں کروڑوں اور اربوں کا اجر جمع کر رہے ہیں۔

۱۱۔ ترغیب و ترہیب کا عمل خدمتِ دین کا موجب ہے

جس طرح اللہ تعالیٰ ہر نیکی کا اجر عطا کرتا ہے، اسی طرح اس سے روگردانی کرنے والوں کے لیے اس نے اپنا ایک ایسا نظام بنایا ہے جو discipline، ترغیب و ترہیب اور جزا و سزا کے ساتھ مترتب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفاتحہ میں ہدایت کے حصول کا ایک مکمل طریق ہمیں عطا فرمایا ہے۔ ارشاد فرمایا:

﴿ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ﴾

نہایت مہربان بہت رحم فرمانے والا ہے○

یعنی میں رحمان بھی ہوں، رحیم بھی اور شفقت بھی کرتا ہوں، لیکن اگر تم نے کوئی گڑبڑ کی تو پھر:

﴿مَٰلِكِ يَوۡمِ ٱلدِّينِ﴾

روزِ جزا کا مالک ہے○

اگر پریشانی کا شکار ہو جاؤ تو میری بارگاہ میں یوں عرض کیا کرو:

﴿إِيَّاكَ نَعۡبُدُ وَإِيَّاكَ نَسۡتَعِينُ﴾

(اے اللہ!) ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور ہم تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں○

اور پھر میری بارگاہ میں ہمیشہ اس چیز کے طالب رہا کرو کہ

﴿ٱهۡدِنَا ٱلصِّرَٰطَ ٱلۡمُسۡتَقِيمَ﴾

ہمیں سیدھا راستہ دکھا○

تاکہ دوبارہ غلطی نہ ہو۔

پھر پوچھا: صراطِ مستقیم کیسے ملے گا؟ فرمایا:

﴿صِرَٰطَ ٱلَّذِينَ أَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ﴾

ان لوگوں کا راستہ جن پر تونے انعام فرمایا○

یہ انعام یافتہ لوگوں کا نظام العمل ہے۔ اس پر عمل پیرا ہونے کے لیے اچھے لوگوں کی صحبت اختیار کریں اور بری صحبت سے بچیں۔

پھر فرمایا:

﴿غَيۡرِ ٱلۡمَغۡضُوبِ عَلَيۡهِمۡ وَلَا ٱلضَّآلِّينَ﴾

ان لوگوں کا نہیں جن پر غضب کیا گیا ہے اور نہ (ہی) گمراہوں کا○

یعنی ان کی صحبت سے بچو جو ضلالت اور گمراہی میں گھرے ہوئے ہیں۔ اگر اچھی صحبتوں میں رہنا چاہتے ہو تو گمراہ لوگوں کی صحبت کو چھوڑنا ہوگا۔ یوں قرآن نے discipline کا پورا concept ہمیں دے دیا ہے۔

یہی concept منہاج القرآن کے charter of responsibilities، نظام العمل، آئین اور manuals نے ہمیں دیا ہے۔ یہ سارا

نظام اسی لیے بنایا جاتا ہے کہ ہماری زندگیوں میں discipline آجائے۔ نظم وضبط کے بارے میں کوئی کہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کے مہمان خانے میں، حضور نبی اکرم ﷺ کی نوکری میں discipline کی کیا ضرورت ہے؟ تو ذہن نشین کرلیں کہ discipline اپنی جگہ ہے اور اخلاقیات اپنی جگہ۔ شیخ الاسلام نے اسی نظام پر ہمیشہ عمل پیرا ہونے کی ترغیب دی ہے اور ہمارے لیے اپنی ذات کو بطور عملی نمونہ پیش کیا ہے۔ آپ کا یہ طرزِ عمل رہا ہے کہ مشن کی ایک ایک چیز اور ایک ایک پائی کے خرچ پر گہری نظر رکھتے ہیں کہ کہیں ناجائز پیسہ تو خرچ نہیں ہو رہا یا تحریک میں کہیں سے ناجائز پیسہ تو نہیں آرہا۔ یہی اصول آپ نے ہمیشہ اپنی نجی زندگی میں بھی اپنایا ہے۔

ستر کی دہائی کی بات ہے جب آپ پنجاب یونی ورسٹی ہاسٹل کے وارڈن ہوا کرتے تھے۔ آپ فرماتے ہیں کہ جو تنخواہ مجھے یونی ورسٹی لاء کالج سے ملتی تھی وہ مہینے کی پندرہ یا اٹھارہ تاریخ تک ختم ہو جاتی تھی۔ اس کے بعد ہم روکھی سوکھی روٹی پر گزارا کرتے۔ ایک روز گھر چولہا جلانے کے پیسے نہیں تھے؛ بیگم صاحبہ نے کہا کہ آپ ہاسٹل سپرنٹنڈنٹ ہیں، میں آپ کو آٹا دیتی ہوں؛ آپ ہاسٹل کے mess سے روٹی پکوا لائیں۔ اس پر شیخ الاسلام نے فرمایا: ایسی بات دوبارہ کبھی نہ کرنا۔ اُس کا ایندھن مجھ پر حرام ہے۔

وہ قائد جس نے کئی کئی روز فاقہ میں گزارنے تو قبول کر لیے مگر ہاسٹل کے ایندھن کے استعمال پر سمجھوتہ نہ کیا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہی قائد ادارے کے پیسے کے ناجائز استعمال اور خرچ کو برداشت کرے۔ یہ پیسہ کسی کا نہیں بلکہ آقا ﷺ کے مہمان خانے کا ہے۔ ہم یہاں پر اس امانت کے امین ہیں جو ہمیں سونپی گئی ہے۔ اگر اچھے امین ہوں گے تو اچھے خادم اور نوکر بن جائیں گے؛ ورنہ دھتکار دیے جائیں گے۔

باب دوم

عہدے داران اور کارکنان کی اخلاقی و روحانی تربیت

خدمت دین کے مشن پر کاربند مصطفوی کارکنان و عہدیداران کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنے آپ کو اخلاقی اور روحانی اعتبار سے اس مقام پر رکھیں کہ وہ واقعتاً اس مشن کے پیغام کے عملی پیکر نظر آئیں۔ اس ضمن میں انہیں درج ذیل اوصاف اور خصوصیات اپنے کردار میں پیدا کرنا ہوں گی، اس لیے کہ اِن خصائل کی عدم موجودگی میں اُن کے قول اور فعل میں تضاد نظر آنے کی وجہ سے مصطفوی مشن کے پیغام کی تاثیر پر بھی فرق پڑے گا۔ لہٰذا ضروری ہے کہ تجدیدِ دین اور احیائے اسلام کے مشن سے وابستہ ہر عہدے دار اور کارکن اِن اوصاف سے مزین ہو۔

ا۔ خوفِ خدا اور باطنی کیفیات کا حصول

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب قرآن مجید کی آیات میں جنت و دوزخ کے احوال سنتے تھے تو ان پر کپکپی طاری ہو جاتی، چیخیں نکل جاتیں اور غشی کے احوال طاری ہو جاتے۔ آج ہم اِن کیفیات و اَحوال سے محروم ہیں۔ ہماری موجودہ حالت کی سب سے بڑی وجہ ہماری سنگ دلی ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ قساوتِ قلبی بڑھتی جاتی ہے اور ہمارے دل سخت سے سخت تر ہوتے چلے جاتے ہیں۔ یہ ایک روحانی فطری عمل ہے کہ جو کیفیات ابتدا میں ہوتی ہیں وہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ چند وجوہات کی بنا پر برقرار نہیں رہتیں۔ یہ فرق قرونِ اولیٰ میں بھی ہوتا تھا مگر اس کے اسباب اور تھے۔ آج کے دور میں اس کی وجوہات کچھ اور ہیں۔

حضرت حنظلہ اُسیدی ﷛ رسول اللہ ﷺ کے کاتبوں میں سے تھے۔ وہ بیان کرتے ہیں:

لَقِيَنِي أَبُوْ بَكْرٍ ﷛ فَقَالَ: كَيْفَ أَنْتَ يَا حَنْظَلَةُ؟ قَالَ: قُلْتُ: نَافَقَ حَنْظَلَةُ. قَالَ: سُبْحَانَ اللهِ مَا تَقُوْلُ؟ قَالَ: قُلْتُ: نَكُوْنُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ يُذَكِّرُنَا بِالنَّارِ وَالْجَنَّةِ حَتَّى كَأَنَّا رَأْيُ عَيْنٍ، فَإِذَا خَرَجْنَا مِنْ عِنْدِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ عَافَسْنَا الْأَزْوَاجَ وَالْأَوْلَادَ وَالضَّيْعَاتِ، فَنَسِيْنَا كَثِيْرًا. قَالَ أَبُو بَكْرٍ ﷛: فَوَاللهِ، إِنَّا لَنَلْقَى مِثْلَ هَذا، فَانْطَلَقْتُ أَنَا وَأَبُو بَكْرٍ حَتَّى دَخَلْنَا عَلَى رَسُوْلِ اللهِ ﷺ، قُلْتُ: نَافَقَ حَنْظَلَةُ، يَا رَسُولَ اللهِ. فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: وَمَا ذَاكَ؟ قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللهِ، نَكُوْنُ عِنْدَكَ تُذَكِّرُنَا بِالنَّارِ وَالْجَنَّةِ حَتَّى كَأَنَّا رَأْيُ عَيْنٍ، فَإِذَا خَرَجْنَا مِنْ عِنْدِكَ عَافَسْنَا الْأَزْوَاجَ وَالْأَوْلَادَ وَالضَّيْعَاتِ نَسِيْنَا كَثِيْرًا. فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، إِنْ لَوْ تَدُوْمُوْنَ عَلَى مَا تَكُوْنُوْنَ

عِنْدِي وَفِي الذِّكْرِ لَصَافَحَتْكُمُ الْمَلَائِكَةُ عَلَى فُرُشِكُمْ وَفِي طُرُقِكُمْ، وَلَكِنْ يَا حَنْظَلَةُ، سَاعَةً وَسَاعَةً ثَلَاثَ مَرَّاتٍ(٢٠).

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ مجھ سے ملے اور کہا: اے حنظلہ! تم کیسے ہو؟ میں نے کہا: حنظلہ منافق ہو گیا ہے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: سبحان اللہ! تم کیسی بات کر رہے ہو؟ میں نے کہا: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں، آپ ہمیں جنت اور دوزخ کی نصیحت کرتے ہیں حتیٰ کہ (ہماری یہ کیفیت ہو جاتی ہے) گویا جنت اور دوزخ کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ پھر جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے اُٹھ کر اپنی بیویوں، بچوں اور زمینوں کے معاملات میں مشغول ہوتے ہیں تو بہت ساری چیزیں بھول جاتے ہیں۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: بہ خدا اس قسم کا معاملہ تو ہمیں بھی پیش آتا ہے۔ پھر میں اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ دونوں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! حنظلہ منافق ہو گیا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا بات ہے؟ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم آپ کے پاس حاضر ہوتے ہیں، آپ ہمیں جنت اور جہنم کی نصیحت کرتے ہیں، اس وقت ہمارا حال یہ ہو جاتا ہے کہ گویا ہم اپنی آنکھوں سے جنت اور جہنم کو دیکھتے ہیں اور جب ہم آپ کے پاس سے اُٹھ کر اپنی بیویوں، بچوں اور

(٢٠) مسلم، الصحيح، كِتَابُ التوبة، باب فضل دوام الذكر والفكر، ٤/ ٢١٠٦، الرقم/ ٢٧٥٠.

زمینوں میں مشغول ہوتے ہیں تو ہم بہت ساری باتیں بھول جاتے ہیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، تم میرے پاس ذکر و فکر کی جس کیفیت میں ہوتے ہو اگر تمہاری وہی کیفیت ہمیشہ برقرار رہے تو تمہارے بستروں اور راستوں پر بھی فرشتے تم سے مصافحہ کریں، لیکن اے حنظلہ! یہ کیفیت ساعت در ساعت بدلتی رہتی ہے۔ یہ آپ نے تین بار فرمایا۔

یہ تغیرِ احوال اور تغیرِ کیفیات پہلے ادوار میں بھی ہوتا تھا، لیکن ان لوگوں کا صدق و اخلاص چونکہ بہت زیادہ کامل ہوتا تھا اور ان کے اندر خیر، تقویٰ اور پرہیز گاری کے پہلو اتنے مضبوط، طاقتور اور غالب ہوتے تھے کہ ان میں کیفیات کا تغیر اور طرح کا ہوا کرتا تھا۔ جب کہ ہمارے اندر کیفیات کا یہ تغیر و تبدل ہوتا ہے تو یہ اس نوعیت کا نہیں ہوتا۔ ہم پر دنیوی ماحول کے ہوش ربا اثرات اور قساوتِ قلبی آجاتی ہے۔ ہم میں سے کئی لوگ اس بات کے گواہ ہوں گے کہ ابتدا میں جب ابھی تنظیمات اور مراکز نہیں بنے تھے، تو دعوت کا پیغام گھر گھر پہنچاتے ہوئے وہ ایک روحانی لذت اور کیف سے معمور رہتے تھے۔ لیکن انسان جب مختلف انتظامی اور تنظیمی معاملات میں مصروف ہو جاتا ہے تو اس کے مسائل اس کی روحانی لذت و حلاوت چھین لیتے ہیں کیونکہ صدق، اخلاص، محبت، وفاداری، شیطان، دنیاداری وغیرہ سب ساتھ ساتھ چل رہے ہوتے ہیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ہم اپنی ان روحانی کیفیات کو بحال کرنے اور پھر انہیں قائم رکھنے کی کوشش کریں۔

۲۔ وقت کی قدر و قیمت کا احساس

مثل مشہور ہے کہ گزرا وقت اور کمان سے نکلا تیر کبھی واپس نہیں آتا۔ انسانی زندگی کی مثال بھی ہوا کے اُس جھونکے کی سی ہے، جو ایک بار اپنا اثر دکھا کر واپس کبھی نہیں پلٹتا۔ اگرچہ دوستوں میں اختلافات کے سبب دوستی چلی جائے یا پھر کسی بھی وجہ سے دوست بچھڑ جائیں تو زمانے کے کسی نہ کسی موڑ پر دوبارہ ملنے کا امکان باقی رہتا ہے۔ اسی طرح انسان کی زندگی سے آسائش و آرام چلا جائے تو واپس آسکتا ہے؛ صحت چلی جائے تو صحت مند ہونے کی امید قائم رہتی ہے اور انسان دوبارہ اسی طرح صحت مند ہو جاتا ہے جیسے وہ کبھی بیمار ہوا ہی نہیں تھا، لیکن زندگی کا کوئی بھی لمحہ پلٹ کر واپس نہیں آتا۔ اس لیے انسان کو چاہیے کہ وہ زندگی کے ہر لمحے کی قدر کرے۔ انسان اپنی زندگی کے بارے میں بڑے بڑے خواب دیکھتا ہے اور عملی زندگی میں ان کی تعبیر کا منتظر بھی رہتا ہے۔ اس کے خوابوں کی یہ تعبیر بڑی جد و جہد کا تقاضا کرتی ہے۔ جس شخص نے زندگی کے ان بیش قدر لمحات سے پوری طرح فائدہ نہ اٹھایا، تو اس کے ہاتھ کچھ نہیں آئے گا۔ اس کی جوانی کا سنہرا دور ناکامیوں کا سبق دے کر ہمیشہ کے لیے رخصت ہو جائے گا۔ زندگی بھر کے پچھتاوے اس کا مقدر بن جائیں گے۔ جب تک حالات کی ریت آپ کے ہاتھ میں ہے اسے مضبوطی سے پکڑ لیں، اس سے بھرپور فائدہ اٹھائیں اور اپنے آپ کو جتنا بدل سکتے ہیں بدل لیں۔ جوانی کا یہ انقلابی دور علم کے متلاشیوں کے لیے خاص طور پر دہری اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ نظیر اکبر آبادی نے وقت کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے کہا تھا:

غافل! تجھے گھڑیال یہ دیتا ہے منادی
گردُوں نے گھڑی عمر کی اِک اور گھٹا دی

علم کے حصول کا یہ بے مثال دور موسموں اور مہینوں میں معمولات کے رد و بدل کے ساتھ ماضی بنتا چلا جاتا ہے۔ لیل ونہار کا یہ ردوبدل ہمیں مجبور کرتا ہے کہ ہم غور کریں کہ ہمارے دن اور رات کی مصروفیات کیا ہیں؟

یاد رکھیے! جیسے جیسے عمر بڑھتی جائے گی، ویسے ویسے مسائل بھی بڑھتے چلے جائیں گے۔ بیوی بچوں کی ضروریات، روزگار اور دیگر مسائل میں ہر گزرتے لمحے کے ساتھ اضافہ ہی ہوتا چلا جائے گا۔ اس لیے یہ سنہری وقت جو اب میسر ہے، پلٹ کر کبھی نہیں آئے گا۔ اب آپ چاہیں تو سولہ گھنٹے جاگ لیں، چاہیں تو اٹھارہ گھنٹے بیدار رہیں۔ اس عمر میں جس قدر چاہیں، عشقِ الٰہی اور عشقِ رسول ﷺ کی لَو لگا کر من کی دنیا روشن کر لیں۔ اللہ کی یاد میں نمازِ تہجد سے لے کر نمازِ فجر تک رو رو کر اپنے نامۂ اعمال کی سیاہی کو نیک اعمال میں تبدیل کر لیں۔

اس لیے اس مصطفوی مشن کے علمبردار اور پیغامبر پر لازم ہے کہ وہ وقت کی قدر کرے اور وقت کو بھرپور طریقے سے استعمال میں لاتے ہوئے اس کے ایک ایک لمحہ سے نیکیوں کے فروغ اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے تناظر میں بھرپور فائدہ اُٹھائے۔ اپنی زندگی سے کاہلی، سستی اور بے کاری کو اکھاڑ پھینکے۔ اسی صورت میں وہ خدمتِ دین کے تقاضوں کو پورا کرنے والا بن سکے گا۔

۳۔ علم نافع کا حصول

مصطفوی کارکنان پر لازم ہے کہ وہ علمِ نافع کے حصول میں ہمیشہ سرگرداں رہا کریں۔ علمِ نافع اللہ کی ایک نعمت ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی نعمتیں ہر ایک کو ایسے نہیں دے دیتا بلکہ ان نعمتوں کے لیے بندے کا ظرف بھی دیکھتا ہے۔ ربِ دو جہاں اپنے بندے میں

صدق و اخلاص دیکھتا ہے، اس کی محنت، کوشش اور جہدِ مسلسل دیکھتا ہے، تب کہیں جا کر وہ اپنے بندے کو ابدی نعمتیں عطا کرتا ہے۔ ہم خوش ہوتے ہیں کہ فلاں پر اللہ کا بڑا کرم ہے کہ وہ اتنا مال دار، جاگیر دار اور صاحبِ استطاعت ہے۔ حالاں کہ دنیاوی شان و شوکت ہر گز اس کی رضا کا معیار نہیں ہے۔ یہ سب کچھ تو اللہ کا عدل ہے۔ وہ دنیاوی ثروت تو کافروں کو بھی دیتا ہے جو کہ اس کی ذات کے ہی منکر ہیں، لیکن خالقِ ارض و سما انہیں ہر گز اپنی محبت اور قربت نہیں دیتا۔ انہیں دنیا کی ہر دولت تو دے دیتا ہے مگر اپنی فقیری، اپنی محبت اور اپنی معرفت نہیں عطا کرتا۔ مالکِ کون و مکاں حقیقت کی دولت اس وقت تک نہیں سونپتا جب تک کہ وہ آزمانہ لے کہ یہ دل اس کی طلب میں صدق و اخلاص سے معمور ہے یا نہیں۔

درحقیقت اپنے دل کو عشقِ حقیقی سے سرشار کرنے کا بہترین زمانہ جوانی کا زمانہ ہے۔ حضور سیدنا غوث الاعظم نے فرمایا:

دَرَسْتُ الْعِلْمَ حَتّٰی صِرْتُ قُطْبًا

وَنِلْتُ السَّعْدَ مِنْ مَوْلَی الْمَوَالِي

میں علم حاصل کرتا رہا یہاں تک کہ علم حاصل کرتے کرتے قطب ہو گیا اور میں نے اپنے مولیٰ سے (دنیوی واخروی) سعادت کو پالیا۔

ثابت یہ ہوا کہ علم کا سفر بندے کو قطب اور غوث بنا دیتا ہے، لیکن اگر انسان طالبِ علمی کے دوران اس کا بندہ ہی نہ بن سکے اور اچھے اخلاق کا حامل نہ ہو سکے، دنیا داری، سستی، کاہلی ہی نہ ختم کر سکے تو گویا اس نے سب کچھ برباد کر دیا۔ یاد رہے! سست اور کاہل لوگوں کو کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ لہٰذا ہمیں ہر وقت پوری طرح تیار رہنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ نے لَّيۡسَ لِلۡإِنسَٰنِ إِلَّا مَا سَعَىٰ (٢١) فرما کر کامیابی کو محنت اور مشقت سے مشروط کر دیا ہے۔ چنانچہ ہم حق کی تلاش میں جس قدر اپنی توانائیاں صرف کریں گے، اتنا ہی میٹھا پھل ہمیں نصیب ہو گا۔

علم دو قسم کا ہوتا ہے:

١۔ وہ علم جو نور پیدا کرتا ہے۔

٢۔ وہ علم جو تاریکی پیدا کرتا ہے۔

اگر علم خالصتاً اللہ کے لیے ہو، اس نیت سے حاصل کیا جائے کہ مجھے اس علم کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کی رضا حاصل ہو گی، تو یہ بندے کے لیے سب سے بڑی کامیابی ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کی رضا اور اس کا قرب، اللہ کی محبت کے بغیر نصیب نہیں ہوتا۔ یہ ایک طے شدہ امر ہے کہ جب کسی کو کسی سے محبت نہیں ہوتی تو اسے اس کا قرب بھی نہیں ملتا اور اگر محبت کے بغیر اس کو قرب مل بھی جائے، تو وہ قرب بے فیض اور لاحاصل ہوتا ہے۔ ابو جہل اور ابو لہب جیسے لوگ اور دیگر کفار و مشرکین جو بظاہر حضور علیہ السلام کے محلے ہی میں رہتے تھے اور ان کا دن میں کئی بار آمنا سامنا بھی ہوتا تھا۔ اب اگر دن میں کئی بار ملاقات ہو اور ایک ہی گلی کوچے میں رہائش پذیر ہوں تو ظاہری اعتبار سے اس سے زیادہ قرب اور کیا ہو سکتا ہے۔ مگر افسوس! اس قرب کا انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا حتیٰ کہ ہادیِ برحق حضرت محمد ﷺ کے چچا ابو لہب کی مذمت میں ایک پوری سورت نازل ہوئی:

---

(٢١) النجم، ٥٣/ ٣٩.

﴿تَبَّتْ يَدَآ أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ﴾ (۲۲)

ابو لہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ تباہ ہو جائے (اس نے ہمارے حبیب پر ہاتھ اٹھانے کی کوشش کی ہے)o

علم کے متلاشیوں کے لیے یہ نقطہ قابلِ غور ہے کہ ترجیح ہمیشہ دین کے علم اور اللہ کی معرفت کو دیں۔ سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ روایت کرتے ہیں:

يُجَاءُ بِعَمَلِ الرَّجُلِ فَيُوْضَعُ فِي كِفَّةِ مِيْزَانِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَتَخِفُّ، فَيُجَاءُ بِشَيْءٍ أَمْثَالَ الْغَمَامِ، أَوْ قَالَ مِثْلَ السَّحَابِ، فَيُوْضَعُ فِي كِفَّةِ مِيْزَانِهِ فَيُرَجَّحُ فَيُقَالُ لَهُ: أَتَدْرِيْ مَا هَذَا؟ فَيَقُوْلُ: لَا، فَيُقَالُ لَهُ: هَذَا فَضْلُ الْعِلْمِ الَّذِيْ كُنْتَ تُعَلِّمُهُ النَّاسَ (۲۳).

قیامت کے دن کسی آدمی کو (اُس کے) عمل کے ساتھ لایا جائے گا اور (اُس کے عمل کو) ترازو کے پلڑے میں رکھا جائے گا تو اُس کا پلڑا ہلکا ہو جائے گا۔ پھر کوئی چیز بادلوں کی مانند لائی جائے گی اور ترازو کے پلڑے میں رکھی جائے گی (تو اُس کا پلڑا) بھاری ہو جائے گا، پھر اُس سے کہا جائے گا: کیا تو جانتا ہے کہ

(۲۲) اللهب، ۱۱۱/ ۱.

(۲۳) ابن عبد البر، جامع بيان العلم وفضله، ۱/ ٤٦.

یہ (سب) کیا تھا؟ تو وہ جواباً کہے گا، (میں) نہیں جانتا۔ تو اُسے کہا جائے گا: یہ وہ علم کی فضیلت ہے جس کو تو لوگوں کو سکھایا کرتا تھا۔

جس علم سے قیامت کے دن فیصلے بدل جائیں گے اور اللہ کے قرب اور رضا کے راستے کھل جائیں گے، افسوس! ہم اس کی بالکل قدر نہیں کرتے۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:

مَنْ جَاءَهُ أَجَلُهُ وَهُوَ يَطْلُبُ الْعِلْمَ لَقِيَ اللهَ وَلَمْ يَكُنْ بَيْنَهُ وَبَيْنَ النَّبِيِّيْنَ إِلَّا دَرَجَةُ النُّبُوَّةِ(٢٤).

جس کو طلبِ علم میں موت آئی تو وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اس کے اور انبیاء کے درمیان صرف درجہ نبوت کا فرق ہو گا۔

علم کی طلب میں کوشاں رہنے والے کے لیے ضروری ہے کہ ایک تو اس کا ذہن مکمل طور پر یکسو ہو۔ دوسرا یہ کہ جو علم وہ حاصل کر رہا ہے، اس میں نور ہو، اندھیرا اور تاریکی نہ ہو۔ یہ امر ذہن میں رہے کہ علم میں نور صرف اس شرط پہ آتا ہے کہ اس کے ساتھ عملِ صالح، زہد اور تقویٰ ہو۔ اگر یہ سب کچھ شامل نہ ہو تو اس علم کی مثال ایسے ہے

---

(٢٤) ١ - طبراني، المعجم الأوسط، ٩/ ١٧٣، الرقم/ ٩٤٥٤.
٢ - المنذري، الترغيب والترهيب، ١/ ٥٣، الرقم/ ١١٠.
٣ - الهيثمي، مجمع الزوائد، ١/ ١٢٣.

جیسے کتابوں کا ایک انبار گدھے کی پشت پر لاد دیا جائے۔ علم کی یہ کتابیں محض ایک بوجھ ہوتی ہیں، اس سے زیادہ ان کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔

۴۔ تصوف اور تشکیلِ کردار

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین اور قرونِ اُولٰی کے سلف صالحین کے دور میں نفس، شیطان اور دنیا اس قدر طاقت ور نہ تھے۔ ان کے صدق و اخلاص اور استقامت کی وجہ سے وہ قساوتِ قلبی نہیں ہوتی تھی، جس کا آج ہم سب شکار ہیں۔ یہیں سے بگاڑ کا آغاز ہوتا ہے۔ اب روحانیت کی بجائے دفتریت کا غلبہ ہے۔ افسوس! اب آہِ سحر گاہی نہیں رہی۔ ان حالات میں دلوں کی سختی کو نرمی میں کیسے بدلا جائے؟ افسوس کہ ہم تقویٰ کی کیفیت نہیں رکھتے، جس کے سبب ہم اخلاقِ حسنہ کی نعمت سے محروم ہیں۔ آج پھر سے اِن اوصاف کو دوبارہ زندہ کرنے کی ضرورت ہے۔ دوسرے الفاظ میں آج احیائے تصوف وقت کی آواز ہے۔ اس لیے کہ اس تصوف ہی سے آج ہماری سیرت و کردار کی حقیقی معنوں میں تشکیل ممکن ہوگی۔ تصوف کا مقصد صدق اور اخلاص پیدا کرنا ہے۔ آقا علیہ السلام کے صحابہ صدق و اخلاص، صفائے قلب اور حسنِ نیت کے منتہائے کمال پر تھے، انہیں صوفی کہیں یا نہ کہیں، وہ اصلاً سب صوفیاء تھے۔ اخلاص، زہد و ورع، تقویٰ اور حسنِ اخلاق کی وہ تمام خوبیاں جن سے تصوف عبارت ہے، ان میں وہ بدرجۂ اتم موجود تھیں۔ آج ہمیں اِن تمام اوصاف کو اپنے اندر پیدا کرنا ہوگا۔ بالفاظ دیگر ہمیں تصوف کے اِن عناصر کے ذریعے قساوت کو نرمی اور مردہ دلی کو زندہ دلی میں تبدیل کرنا ہوگا۔

اِن اوصاف اور تصوف کے عملی اظہار سے دور ہونے کی وجہ ماحول کے اثرات کا ہمارے مزاج اور رویے میں داخل ہونا ہے۔

مختلف نفسیاتی، معاشرتی اور سیاسی ماحول و طریقہ کار اور مختلف احوالِ حیات سے فطری طور پر تبدیلیاں آتی ہیں۔ مثلاً: جو تواضع اور انکساری ایک طالب علم کے طور پر انسان کے اندر ہوتی ہے، جب وہ معلم یا مفتی بن جاتا ہے، تو اس کے اندر وہ تواضع اور انکساری نہیں رہتی، اس میں فرق آتا چلا جاتا ہے۔ اسی طرح چوبیس گھنٹے کے انتظامی معاملات اور ان میں شرکت، پھر کاموں کی نوعیت اور صبح و شام کی dealing رویوں پر بہت زیادہ اثر انداز ہوتی ہے۔ درپردہ یہ سب وہ اثرات ہیں جن کی وجہ سے عبادات میں کمی آتی چلی جاتی ہے اور پہلے جیسا حسنِ معاملہ نہیں رہتا۔ دفتری میکانکی طریقہ کار کے باعث سوچوں اور طرزِ عمل میں روحانیت کی بجائے بیوروکریسی آجاتی ہے۔ جب یہ معاملہ آجاتا ہے، تو مشن کے کام میں لگن اور دردمندی کا فقدان دکھائی دیتا ہے۔ دفتریت کے غلبے کی وجہ سے آپس میں حسنِ معاملہ اس درجے کا نہیں رہتا جس کا مشن تقاضا کرتا ہے۔ طبیعتوں میں نرمی اور لطافت نہیں رہتی۔ جب دنیا کے ساتھ بہت زیادہ تعلق بڑھ جاتا ہے تو باہمی محبت اور الفت کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور دوسروں کے درد کا احساس باقی نہیں رہتا۔

آج ایثار کا جذبہ مفقود ہو جانے کی وجہ سے دوسروں کو خود پر ترجیح دینے کا رواج نہیں رہا۔ تنظیمات و افراد اور رفقاء کے ساتھ dealing میں خدمت کا جذبہ مفقود نظر آتا ہے، حالانکہ خدمت گزاری تو عاجزی و انکساری، محبت، ایثار، نرمی، حسنِ اخلاق اور حسنِ معاملہ کا تقاضا کرتی ہے۔ وہ تمام اقدار اور اوصاف جو ہمارے اَسلاف کی میراث اور اسلام کی تعلیمات ہیں اِن تمام کو ہمیں اختیار کرکے اپنی طبیعت، فطرت اور مزاج و عادت کا حصہ بنانا ہوگا۔ دوسرے الفاظ میں تصوف کو حال میں بدلتے ہوئے سیرت و کردار کی ایسی تشکیل کرنا ہوگی، جو مصطفوی کارکنان کا طرہ امتیاز ہوا کرتی ہے۔

۵۔ وساوس اور شیطانی حملوں سے دفاع

انسان کے اندر خیالات تین سمتوں سے داخل ہوتے ہیں:

۱۔ شیطان کی طرف سے

۲۔ دنیا کی طرف سے

۳۔ نفس کی طرف سے

یہ بڑی اہم اور قابلِ غور بات ہے کہ شروع میں وہ فاسد خیالات برے بن کر ہمارے ذہنوں میں داخل نہیں ہوتے کیوں کہ اگر وہ خیالات اپنی entrance میں ہی برے دکھائی دیں تو کیا ہم انہیں داخل ہونے دیں گے؟ ہر گز نہیں! چور دن دیہاڑے گھروں میں داخل نہیں ہوتے کہ نگرانی کرنے والے انہیں دیکھ نہ لیں۔ وہ نقب لگاتے ہیں اور چوری ایسی جگہ کرتے ہیں جو نگرانی سے خالی ہو۔ یہی طریقہ شیطان، دنیا اور نفس کے حملے کا ہے۔ وہ دیکھتے ہیں کہ جہاں نگرانی نہیں ہو رہی یعنی بندہ جب اپنے دل و دماغ کی نگرانی نہیں کر رہا ہوتا تو وہ نقب لگا کر داخل ہو جاتے ہیں۔

چنانچہ شیطان حملہ آور ہوتے وقت کسی خیال کو اچھا بنا کر دل و دماغ میں داخل کرتا ہے، تاکہ نگرانی کرنے والا بھی دھوکہ کھا جائے اور جو نگرانی نہیں کر رہا اس کی تو بات ہی کیا کرنی۔ شیطان یا نفس برا بن کر کبھی خیال میں داخل نہیں ہوتا بلکہ وہ تو انسان کی ضرورت بن کر داخل ہوتا ہے۔ وہ انسان کو کہتا ہے کہ دیکھو! مہنگائی کا زمانہ ہے؛ حالات کی یہ مجبوری ہے؛ کیا ساری زندگی ایسے ہی مرتا رہے گا؟ تم بھی زندگی میں آسودگی کے لیے کچھ کرو۔ اس طرح شیطان انسان کے خیر خواہ کا روپ دھار کر من میں

داخل ہو جاتا ہے۔ اس حقیقت کا ذکر خود اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں یوں کیا ہے:

﴿زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ ٱلشَّهَوَٰتِ مِنَ ٱلنِّسَآءِ وَٱلۡبَنِينَ وَٱلۡقَنَٰطِيرِ ٱلۡمُقَنطَرَةِ مِنَ ٱلذَّهَبِ وَٱلۡفِضَّةِ وَٱلۡخَيۡلِ ٱلۡمُسَوَّمَةِ وَٱلۡأَنۡعَٰمِ وَٱلۡحَرۡثِۗ﴾(۲۵).

لوگوں کے لیے ان خواہشات کی محبت (خوب) آراستہ کر دی گئی ہے (جن میں) عورتیں اور اولاد اور سونے اور چاندی کے جمع کیے ہوئے خزانے اور نشان کیے ہوئے خوبصورت گھوڑے اور مویشی اور کھیتی (شامل ہیں)۔

یہ تمام چیزیں اور شہوتیں محض پسندیدہ اور جائز بن کر ہی نہیں بلکہ ضرورت اور مجبوری بن کر انسان کو جھانسا دیتی ہیں اور دلکش بہروپ اور نہایت خوبصورت انداز سے انسانی طبیعت میں داخل ہو جاتی ہیں۔ پھر جب انسان اپنی کسی ایسی خواہش کا تجزیہ کرتا ہے، تو اسے وہ اپنے حالات کے مطابق بالکل درست تصور کرتا ہے۔ وسائل کی کمی، بڑھتی ہوئی مہنگائی کے باعث گھر میں پریشانی کا بڑھنا، یہ ضروریات انسان کو کبھی بغاوت پر اکساتی ہیں اور کبھی بد دلی و دین سے بے رغبتی پیدا کرتی ہیں۔ یہ ماحول اسے خیانت اور کرپشن پر بھی اکساتا ہے اور یوں اسے دوزخ کی طرف لے جاتا ہے۔ انسان کو وہ دوزخ اس وقت بہشتِ بریں کی مانند دکھائی دیتی ہے حالاں کہ در حقیقت وہ جنت الحمقا ہوتی ہے۔ اگر وہ اِس وقت اُسے دوزخ بن کر نظر آجائے تو پھر شیطان کو کیا فائدہ ہوا؟ وہ تو

(۲۵) آل عمران، ۳/ ۱۴.

خیال کو ایسے روپ میں داخل کرتا ہے کہ انسان اسے ضروری اور موزوں خیال کرنے لگتا ہے۔ زندگی کا پورا ماحول اسے ایک لائن میں نظر آنے لگتا ہے۔ پھر جب ایک خیال داخل ہوتا ہے تو وہ اکیلا داخل نہیں ہوتا بلکہ خیال در خیال داخل ہوتا ہے۔ جیسے چیونٹیاں چلتی ہیں، اسی طرح شیطان اپنی پوری فوج کو لائن اپ کر کے داخل کر دیتا ہے اور وہ چیز مزین ہو کر سامنے آجاتی ہے۔ انسان اس کو accommodate کرتا چلا جاتا ہے کہ یہی تو میری اصل ضرورت ہے، جس کے لیے رات دن پریشان رہتا ہوں اور یہی اس کا واحد حل ہے۔ اس طرح داخل ہونے والے یہ خیالات انسان کے ایمان کو برباد اور آخرت کو تباہ کر دیتے ہیں۔

یاد رکھیں! اگر خیال کا صرف ایک جرثومہ اندر داخل ہوتا اور پھر دروازہ بند ہو جاتا تو ہمارے اندر کی نیکیاں اس کو ختم کر دیتیں لیکن ایسا ہوتا نہیں ہے۔ ایک شہوت یا ایک خیال نہیں داخل ہوتا بلکہ قرآن مجید نے مذکورہ آیتِ کریمہ میں اس کے لیے "الشہوات" جمع کا صیغہ استعمال فرمایا ہے: یعنی ان کی پوری فیملی داخل ہو جاتی ہے۔ پورا لشکر قطار در قطار آتا چلا جاتا ہے۔ جب شہوت اور خیالات کا یہ لشکر داخل ہوتا ہے تو انسان کے اندر کی نیکیاں، تقویٰ، روحانیت اس قدر طاقت ور نہیں ہوتیں کہ وہ ان کا دفاع کر سکیں۔ چنانچہ ہماری دفاعی فورسز شکست کھا جاتی ہیں۔ ایک عام مسلمان نماز، روزہ اور دیگر عبادات و معمولات بجالا کر اپنے طور پر تو حقِ مسلمانی ادا کر رہا ہوتا ہے مگر اسے جو اندرونی روحانی دفاعی قوت درکار ہوتی ہے، وہ میسر نہیں آتی۔ نتیجتاً انسان کی اندرونی دفاعی فورسز باطل طاقتوں کے بالمقابل شکست کھا جاتی ہیں۔ یوں باطل کا غلبہ ہو جاتا ہے اور جب اس کا غلبہ ہو جائے تو پھر چھٹکارا حاصل کرنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ گویا انسان باطل کے آگے ہتھیار ڈال دیتا ہے۔

یہ بالکل اسی طرح ہے جیسے دشمن کی فوجیں شہر کے اندر داخل ہو کر قابض ہو جاتی ہیں یعنی جب بارڈر ہی ٹوٹ گیا اور فوجیں شہر میں داخل ہو گئیں تو عملاً ان کا غلبہ ہو گیا اور انہوں نے قبضہ کر لیا۔ اس طرح جب شہوانی خواہشات انسان کے من میں گھس جائیں تو پھر انسان کشمکش اور ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتا ہے۔ وہ اپنے اندر ہی اندر نیکی اور بدی کی جنگ لڑتا رہتا ہے اور بالآخر شکست وریخت کا شکار ہو جاتا ہے۔ بہترین دفاع تو یہ تھا کہ انہیں سرحدوں پر ہی روک لیا جاتا اور شہوات کی طاغوتی فوجوں کو من کے شہر میں داخل ہی نہ ہونے دیا جاتا لیکن جب وہ شہر میں داخل ہو گئیں تو گویا ہم surrender ہو گئے۔

مصطفوی کارکنان اور خدمتِ دین کے مشن پر کاربند اَفراد کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہر وقت اپنے خیالات کی تطہیر کا اہتمام کرتے رہا کریں۔ اسی صورت میں وساوس، شکوک وشبہات اور باطل خیالات کو باطن پر اثر انداز ہونے سے روکا جا سکتا ہے۔

٦۔ تعلق باللہ اور اخلاص

خیالات کا پے در پے آنا اور ان کے دھارے کی زد میں آکر دائیں بائیں بھٹکتے پھرنا اس بات کی گواہی ہے کہ ہم نے اللہ کی محبت کو اپنا منزلِ مقصود نہیں بنایا۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اللہ اور اُس کے رسول مکرم ﷺ سے لَو لگا لیں اور اس کے مقابل ہر چیز کو ہیچ سمجھیں، پھر ہی حال نصیب ہو گا۔ اس پر مسلسل محنت کی ضرورت ہے۔ سب علوم پڑھیں مگر قال اللہ و قال الرسول ﷺ کو ہمیشہ سب پر مقدم رکھیں۔ بول چال، کھانے پینے اور اٹھنے بیٹھنے میں محبوبِ مکرم ﷺ کی سیرت میں ڈھل جائیں، تاکہ جب چلیں تو دنیا والے دیکھ کر کہیں کہ یہ زمانے والوں سے مختلف لوگ ہیں۔ من کی دنیا بدلے بغیر کچھ

حاصل نہیں ہوتا۔ نوجوانوں کی اکثریت شیطان کی تابع ہو چکی ہے۔ یہ دنیا شیطانی، نفسانی اور شہوانی ہے۔ اگر اس دنیا میں رحمانی اور ربانی بن کر رہیں گے تو اگلی صدیوں کے اولیاء کاملین جیسے اجر کے مستحق ٹھہریں گے۔ اس لیے اس دنیا کی ناپاک چیزوں سے ہٹ کر عبادت کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنائیں۔ اخلاق، زہد اور علم کی اعلیٰ کتب کا مطالعہ کرنا گویا اللہ اور رسول ﷺ کی صحبت اختیار کرنا ہے۔ نوجوانوں کی زندگیوں میں یہ کردار نمایاں نظر آنا چاہیے۔

یاد رہے! جو کوئی اللہ کی نافرمانی کرتے ہوئے ایسے کام کرتا ہے کہ جس سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے منع کیا ہو تو حقیقتاً یہی بے وفائی ہے۔ اپنے علم میں ہمیشہ اللہ کی وفا کو شامل رکھیں۔ یہی حصولِ علم کا حقیقی طریقہ ہے۔ جب بندے کا قلب اللہ سے جڑ جاتا ہے تو وہ ہمیشہ اللہ کے ساتھ رہتا ہے۔ اگرچہ بظاہر بشری تقاضوں کے باعث جسم دنیوی معاملات میں مصروف رہتا ہے لیکن قلب و روح اللہ کے ساتھ متعلق ہو جاتے ہیں۔ اگر یہ تعلق مستقل طور پر اللہ کے ساتھ جڑ جائے تو کوئی بھی شخص اپنے حال کو ساری کائنات کے عوض بھی بیچنے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔

حضرت ذو النون مصری تعلق باللہ کی ایک بہترین مثال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ایک روز میں حج کے موقع پر طواف کر رہا تھا کہ ایک جوان کو دیکھا جس کے کپڑے پھٹے پرانے تھے اور چہرے پر فاقے کے آثار تھے۔ مجھے ترس آیا تو جیب میں جو کچھ تھا، وہ میں نے اس کے ہاتھ میں تھمانے کی کوشش کی۔ اس جوان نے میرا بازو پکڑا اور کہنے لگا: یہ کیا کر رہے ہو؟ میں نے کہا: آپ کا حال دیکھا تھا، آپ حاجت مند لگتے ہیں؛ میں نے چاہا کہ آپ کی مدد کر دوں۔ اس نے کہا: ذوالنون! اللہ نے جو حال مجھے دیا ہے اگر کوئی پوری جنت اور اس کی ساری نعمتوں کے عوض بھی میرا یہ حال خریدنا چاہے تو اس محبوب

کی عزت کی قسم! میں یہ حال نہیں بیچوں گا؛ اور تم چند درہموں کے عوض میرا حال خریدنا چاہتے ہو؟

ایک اور موقع پر امام ذوالنون مصری بیان کرتے ہیں:

كُنْتُ فِي الطَّوَافِ فَسَمِعْتُ صَوْتًا حَزِيْنًا، وَإِذَا جَارِيَةٌ مُتَعَلِّقَةٌ بِأَسْتَارِالْكَعْبَةِ وَهِيَ تَقُوْلُ: سَيِّدِي وَمَوْلَايَ، بِحُبِّكَ لِي إِلَّا مَا غَفَرْتَ لِي. قَالَ: فَتَعَاظَمَنِي ذٰلِكَ، وَقُلْتُ: يَا جَارِيَةُ، أَمَا يَكْفِيْكِ أَنْ تَقُوْلِي بِحُبِّي لَكَ، حَتَّى تَقُوْلِي بِحُبِّكَ لِي؟ فَقَالَتْ: إِلَيْكَ عَنِّي يَا ذَا النُّوْنِ، أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ لِلّٰهِ عِبَادًا أَحَبَّهُمْ قَبْلَ أَنْ يُحِبُّوْهُ؟ أَمَا سَمِعْتَ اللهَ يَقُوْلُ: ﴿فَسَوْفَ يَأْتِي ٱللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُۥٓ﴾ [المائدة، ٥/ ٥٤]، فَسَبَقَتْ مَحَبَّتُهُ لَهُمْ قَبْلَ مَحَبَّتِهِمْ لَهُ(٢٦).

میں (خانہ کعبہ کا) طواف کر رہا تھا کہ ایک درد بھری آواز سنی، دیکھا تو ایک لڑکی غلافِ کعبہ سے لپٹ کر پکار رہی تھی: اے میرے سردار اور میرے مالک! تجھے مجھ سے محبت کا واسطہ ہے کہ میری مغفرت فرما دے۔ فرماتے

(٢٦) ١ - ابن الجوزي، صفة الصفوة، ٤/ ٤١٨، الرقم/ ٩٧٥,

٢ - ابن الملقن، حدائق الأولياء، ١/ ٢١١.

ہیں: مجھے یہ الفاظ ادب کے خلاف محسوس ہوئے تو میں نے کہا: اے لڑکی! کیا اتنا کافی نہیں کہ تو یوں کہے: مجھے جو تجھ سے محبت ہے (اس کے طفیل میری مغفرت فرما دے)۔ وہ کہنے لگی: اے ذو النون! ہٹ جایئے، کیا آپ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے ہیں جن کی اس سے محبت سے پہلے وہ خود ان سے محبت فرماتا ہے۔ کیا آپ نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں سنا: ’عنقریب اللہ (ان کی جگہ) ایسی قوم کو لائے گا جن سے وہ (خود) محبت فرماتا ہو گا اور وہ اس سے محبت کرتے ہوں گے‘؟ یہاں اللہ کی محبت کا ذکر بندوں کی محبت سے پہلے ہے۔

ان واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ ہمیں چاہیے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے تعلق جوڑ لیں اور باقی خواہشات، شہوات، تمنائیں، آرزوئیں، غرض دنیا کی ہر شے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے دور لے جانے والی ہے، اسے حقارت سے ٹھوکر مار دیں۔

۷۔ فرض عبادات کی پابندی

یہ امر ہمیشہ پیش نظر رہے کہ عبادات، اچھے اخلاق اور زہد و اخلاص کے بغیر علم ایک کالے سانپ کی مانند ہے۔ اولیاء اللہ کہا کرتے ہیں: ’علم کو اگر نور، نافع اور فائدہ مند بنانا ہو تو اس کا فارمولا یہ ہے کہ علم بقدر نمک اور ادب و عبادت آٹے کے موافق ہو۔‘

یاد رکھیں! علم کی روشنی میں تربیت کے لیے جو محنت کی جاتی ہے اس سے ادب آتا ہے۔ نماز پنج گانہ کی ادائیگی بندگی کی بنیادی پہچان ہے۔ جب نماز کا وقت ہو تو مسجد بھری ہوئی نظر آئے۔ اس سے باری تعالیٰ خوش ہوتا ہے۔ اذان کے ساتھ ہی مسجد میں صف در صف نیاز مندی سے کھڑے ہونا اذان کا ادب ہے۔

حَيَّ عَلَى الصَّلَاة (آؤ نماز کی طرف) اور حَيَّ عَلَى الْفَلَاح (آؤ فلاح کی طرف) سے بہتر بلاوا اور کیا ہو سکتا ہے؟ بلاشبہ نماز مؤمنوں کی اللہ سے ملاقات ہے۔ کتنے شرم کی بات ہے اور ہم کیسے بندے ہیں کہ نماز کے بلاوے پر بھی بے دھیان بیٹھے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر انہیں مجھ سے ملاقات کا شوق نہیں ہے تو مجھے بھی ان کی کوئی پروا نہیں ہے۔ وہ اس لیے کہ بھاگے ہوئے نافرمان غلام کو کوئی بھی پسند نہیں کرتا۔ ایسے شخص کا علم بھلا کس کام کا اور اس علم سے کون سا فیض اور کون سی برکت حاصل ہوگی، جو اپنے رب کے بلاوے پر بھی اس کے در پر حاضر نہیں ہوتا۔ وہ اپنے معبود سے ملاقات کے لیے رات کے اندھیرے میں تہجد کے لیے کس طرح اٹھ سکتا ہے۔ ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ بیداری کا وقت یہی ہے۔ اگر وقت گزر گیا تو پھر پچھتاوے کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔ اقبالؔ کہتے ہیں:

جب عشق سکھاتا ہے آدابِ خود آگاہی
کھلتے ہیں غلاموں پر اَسرارِ شہنشاہی
عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی

تجدیدِ دین اور احیائے اسلام کے مصطفوی مشن پر گامزن کارکن کے لیے ضروری ہے کہ وہ عبادات سے اپنے ظاہر و باطن کو ہمیشہ منور و مزین رکھے۔ اسی ضمن میں ہم اکثر سستی اور کاہلی کا شکار ہوتے ہیں اور فرض نماز کی ادائیگی کے وقت کو بھی اپنے دنیوی یا تنظیمی امور کی نذر کر دیتے ہیں۔ لہٰذا ہر مصطفوی کارکن فرض عبادت میں کسی بھی صورت کوتاہی اور غفلت کا مرتکب نہ ہو۔

اس بات کو بھی ہمیشہ یاد رکھیں کہ بے آہِ سحر گاہی کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ نماز کے علاوہ فرض کے ساتھ ساتھ نفلی روزوں کا بھی معمول بنائیں۔ ان ایام کو کبھی مت چھوڑیں۔ اللہ پاک فرماتے ہیں کہ جو روزہ رکھتا ہے اس کی جزا میں خود دیتا ہوں اور میں ہی جانتا ہوں کہ کیا جزا دینی ہے۔ میں روزہ دار کو جنت میں اپنے ہاتھ سے روزہ افطار کراؤں گا۔

اسی طرح ہمیں مصلّے پر آنسو گرانے کی عادت ڈالنی چاہیے۔ جب جوانی میں ہمارے آنسو گریں گے تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کی بارش کرے گا۔ اس سے دین و ایمان پر استقامت نصیب ہو گی اور دیارِ عشق تک رسائی نصیب ہو گی۔

۸۔ محبت و اطاعتِ رسول ﷺ کا عملی اظہار

ایمان کیا ہے؟ ایمان قلبی تصدیق کا نام ہے۔ یعنی دل سے کسی کو مان کر اس کی طرف راغب ہو جانا، بلکہ اسی کا ہو جانا ایمان ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ قریشِ مکہ کے قلوب آقا ﷺ کے قریب نہیں تھے۔ اگرچہ انہیں جسمانی، جغرافیائی اور مکانی اعتبار سے مکمل قرب حاصل تھا۔ تاہم اس مادی قرب نے انہیں کوئی فائدہ نہیں دیا۔ تصویر کا دوسرا رخ بھی دیکھیے کہ اُدھر حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ ہیں کہ جو کبھی آقا ﷺ سے ملے ہی نہیں، مگر باطنی طور پر قریب رہے اور آقا ﷺ سے ان کا قلب ہمیشہ جڑا رہا۔

بڑی حیرانگی کی بات ہے کہ یمن میں رہنے والا ایک شخص جو آقا ﷺ کا زمانہ پا کر بھی ملاقات نہ کر سکا یعنی جنہیں ظاہری قربت بھی نہیں ملی مگر ہزاروں میل کی دوری کے باوجود دلی طور پر آقا علیہ السلام سے اس قدر جڑے ہوئے تھے کہ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ یمن میں میرا ایک دوست اویس رہتا ہے۔ پھر حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما سے فرمایا:

إِنَّ خَيْرَ التَّابِعِيْنَ رَجُلٌ يُقَالُ لَهُ أُوَيْسٌ، وَلَهُ وَالِدَةٌ، وَكَانَ بِهِ بَيَاضٌ، فَمُرُوهُ فَلْيَسْتَغْفِرْ لَكُمْ(۲۷).

تابعین میں سب سے افضل شخص ایک آدمی ہے جس کا نام اویس ہے، اس کی ایک والدہ ہے (جب تم اُس سے ملو تو) اس سے کہنا کہ وہ تمہارے لیے مغفرت کی دعا کرے۔

محبت کی سب سے بڑی نشانی یہ ہے کہ محب چاہتا ہے کہ جیسا میرا محبوب ہو، میں بھی ویسا ہی دکھائی دوں۔ محبوب جو کھاتا ہے میں بھی وہی کھاؤں؛ محبوب جیسا پہنتا ہے، میں بھی ویسا ہی پہنوں؛ محبوب جس طرح بولتا ہے، میں بھی اسی طرح بولوں؛ محبوب جن کو پسند کرتا ہے، میں بھی انہی کو پسند کروں؛ اور محبوب جنہیں ناپسند کرتا ہے، میں بھی ان کو ناپسند کروں۔ غرض کہ جو طریقے اسے اچھے لگتے ہیں، بس انہی طریقوں کو اختیار کروں اور محبوب کو جو طریقے اچھے نہیں لگتے، ان طریقوں سے نفرت کروں۔ گویا ساری زندگی اِن اشعار کی عملی صورت دکھائی دے:

جس طرف وہ نظر نہیں آتے
ہم وہ رستہ ہی چھوڑ دیتے ہیں
کعبہ بنتا ہے اس طرف ہی ریاضؔ

---

(۲۷) مسلم، الصحيح، كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل أويس القرني، ٤/ ١٩٦٨، الرقم/ ٢٥٤٢.

جس طرف رُخ وہ موڑ دیتے ہیں

درج بالا گفتگو سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ جس چیز نے آپ کے دل میں محبوب کی طلب پیدا کی اور اس کے در تک لے جانے پر آمادہ کیا، اس کا نام محبت ہے۔ محبت کے جذبے سے سرشار ہو کر جس راستے پر چل کر محبوب کے دروازے پر پہنچیں گے، اس کا نام اتباع ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ اگر ہم کسی راستے پر چل رہے ہوتے ہیں تو راستے میں دائیں بائیں کئی گلیاں نظر آتی ہیں۔ اگر اس دوران میں ہم نے اصل راستہ چھوڑ کر دائیں بائیں گلیوں میں گھومنا شروع کر دیا تو پھر کبھی منزل تک نہیں پہنچ پائیں گے۔ لہٰذا جب منزل کو پانا مقصود ہو تو اسی جانب سیدھے چلتے رہیں اور دائیں بائیں دیکھنا بھی گوارہ نہ کریں؛ چاہے وہ راستے کتنے ہی جاذبِ نظر کیوں نہ دکھائی دیں۔ یہ چمکیلے اور بھڑکیلے راستے دراصل شیطانی پھندے ہوتے ہیں۔

چنانچہ اگر ہم اللہ اور اس کے آخری رسول محمد مصطفیٰ ﷺ سے محبت اور قربت چاہتے ہیں، تو پھر اخلاص اور استقامت کے ساتھ سیدھے راستے پر قائم رہیں۔ منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ذوالنون مصری نے کسی سفر کے دوران ایک جوان کو دیکھا، جسے بچے پتھر مار رہے تھے۔ انہوں نے بچوں سے پوچھا: اسے پتھر کیوں مارتے ہو؟ انہوں نے کہا: یہ دیوانہ ہے۔ یہ کہتا ہے کہ میں اللہ کا دیدار کرتا ہوں۔ آپ نے اس نوجوان سے پوچھا: تمہارا دعویٰ ہے کہ تم اللہ کا دیدار کرتے ہو، کیا یہ بات درست ہے؟ اس نے عرض کیا: ذوالنون! کبھی عاشقوں کی نظروں سے محبوب بھی اوجھل ہوتا ہے؟ یعنی اس نوجوان نے مولیٰ سے اپنے کمال تعلق کی بات کی۔ اس پر انہوں نے پوچھا کہ مالک کے ساتھ تیرے تعلق کا حال کیا ہے؟ اس نے کہا: جس دن سے اس سے شناسائی ہوئی ہے، تب سے اس سے بے وفائی نہیں کی۔

ایک مقام پر امام ذوالنون مصری فرماتے ہیں:

اَلْمَحَبَّةُ: خَوْفُ تَرْكِ الْحُرْمَةِ، مَعَ إِقَامَةِ الْخِدْمَةِ(٢٨).

خدمت پر قائم رہتے ہوئے ادب کے ترک ہو جانے کا کھٹکا لگا رہنا محبت کہلاتا ہے۔

یہی حقیقی استقامت ہے۔ اس مردِ قلندر کا یہ زریں قول ہی استقامت کی آسان اور جامع تعریف ہے کہ جب کسی سے روحانی تعلق قائم ہو جائے تو پھر چاہے کسی بھی قسم کی آزمائش آجائے لیکن پایۂ استقلال میں ذرہ برابر بھی لغزش نہیں آنی چاہیے۔

۹۔ مشن کی نمائندگی اور عمدہ اَخلاق

مصطفوی انقلاب کے مشن کی نمائندگی کرتے ہوئے ہمارے پیشِ نظر ہمیشہ آقا علیہ السلام کے اخلاقِ حسنہ کا نقشہ ہونا چاہیے۔ نرمی، محبت، بشاشت، مسکراہٹ اور تواضع کے کلچر کو رواج دینا چاہیے۔ ہمیں یہ بالکل نہیں بھولنا چاہیے کہ رسول اکرم ﷺ کے اسی اَخلاقِ حسنہ کو زندہ کرنے کے لیے تو مصطفوی انقلاب کی اس تحریک کا آغاز کیا گیا ہے۔

اولیاء اللہ اور صوفیاء کرام اس بات پر متفق ہیں کہ مانگنے اور پوچھنے سے پہلے ہی بھائیوں کا حق ادا کر دیا جائے۔ دوسرا یہ کہ جب ہمارے پاس کسی کا کوئی کام آئے تو ضروری ہے کہ ہمارے چہرے پر بشاشت رہے۔ کسی تنظیم کا کارکن اگر اس تنظیم کے کسی بڑے عہدے دار سے بات کرنے سے اجتناب کرتا ہے اور آپس میں بات چیت کیے کئی

(٢٨)أبو سعد النيسابوري، تهذيب الأسرار/ ٥٦.

کئی دن گزر جاتے ہیں، تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس سے ڈرتا ہے۔ اس کا ایک ہی سبب ہے کہ اس عہدے دار کے ہاں روحانیت کی بجائے دفتریت و افسریت کا راج ہے۔ ائمہ، سلف صالحین اور اولیاء فرماتے ہیں کہ جب کبھی کوئی شخص کسی منصب دار کے پاس کوئی کام لے کر آئے اور وہ اس کام کی انجام دہی میں اتنی مستعدی، محنت اور دلچسپی اور تیزی کا مظاہرہ نہ کرے جو اپنی ذات کے لیے کرتا ہے، تو ایسے شخص کے لیے وضو کر لو یعنی اس پر نمازِ جنازہ پڑھ دو اور اس کو مُردوں میں شمار کرو کہ وہ زندوں میں نہیں ہے۔

ہمیں ہمارے رفقا، بھائی اور ساتھی اپنے اہل و عیال اور اپنی اولاد سے بھی زیادہ محبوب ہونے چاہییں تبھی ہم خدمتِ دین کے تقاضوں کو ادا کرنے میں کامیاب ہو سکیں گے۔

۱۰۔ اُمورِ تحریک اور شوقِ عمل

ہمیں چاہیے کہ مشن کے امور کو بروقت نمٹایا جائے۔ آج کا کام کل پر چھوڑنا دفتریت کہلاتا ہے۔ ہمارے روز مرہ کے رویے اور دفتر کے ماحول سے ہمارے کردار کی عکاسی ہوتی ہے۔ استاد کے پڑھانے کا انداز، طلبہ کے ساتھ ہمدردانہ رویہ اور جامعہ کا معیارِ تعلیم بلند کرنے سے استاد کے کردار کی عکاسی ہوتی ہے۔ اسی طرح تحریک کی جملہ نظامتیں، فورمز، شعبہ جات کا ماحول اپنے سے متعلقہ کارکنان و تنظیمات سے Dealing کی عکاسی کرتا ہے۔ کچھ کام ہوتے ہیں جو روز کے روز نمٹائے جا سکتے ہیں۔ کچھ کام دوسرے دن اور کچھ تیسرے دن بھی ہو سکتے ہیں۔ لیکن ہم لاپروائی سے انہیں ہفتوں پر ڈال دیتے ہیں۔ یہ دفتریت ہمیں دھیرے دھیرے فرعونیت کی طرف لے جاتی ہے۔ جب دفتر میں ایک دوسرے کی پروانہ کی جائے اور خود غرضی کا دور دورہ ہو

جائے، تو اسی کو فرعونیت کہتے ہیں۔ کسی بڑے عہدے دار سے اگر ایک ماتحت ملازم شکایت کرنے سے ڈرتا ہے تو اس عہدے دار کے بد اَخلاق ہونے کے لیے یہی پیمانہ کافی ہے۔

۱۱۔ باہمی مشاورت

امور کی انجام دہی میں مشاورت اہم ترین عمل ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأَمۡرُهُمۡ شُورَىٰ بَيۡنَهُمۡ﴾(۲۹).

اور ان کا فیصلہ باہمی مشورہ سے ہوتا ہے۔

چنانچہ اللہ رب العزت کے اس فرمان کی رو سے جو کام بھی کریں، مشاورت سے کریں لیکن مشاورت حقیقی ہونی چاہیے۔ اگر مالی معاملات ہیں، تو مالی معاملات کے ماہرین سے مشاورت کریں۔ تعلیمی معاملات ہیں تو تعلیم کے ماہرین سے مشاورت کرنی چاہیے۔ اسی طرح تنظیمات کے سربراہ کو پہلے اپنا اجلاس بلانا چاہیے۔ وہ سچا نمائندہ بن کر سب کی رائے لے پھر سچی اور حتمی بات کرے۔ یہی مشاورت کی روح ہے تاکہ لوگ کیے گئے فیصلوں میں اپنے آپ کو حصے دار سمجھیں۔ اس سے مرکز اور تنظیمات میں کوئی فاصلہ نہیں رہے گا۔ سارا مسئلہ رویوں کی تبدیلی کا ہے۔ اگر رویوں کا مسئلہ حل ہو جائے تو باقی مسائل خود بخود حل ہوتے چلے جائیں گے۔

---

(۲۹) الشوری، ۴۲/ ۳۸.

۱۲۔ تحریکی ساتھیوں میں اخوت و بھائی چارہ

مشن کا کام کرنے والے سب آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

مَثَلُ الْأَخَوَيْنِ مَثَلُ الْيَدَيْنِ، تَغْسِلُ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَى (۳۰).

دو مسلمان بھائیوں کی مثال ایسے ہے جیسے ایک بندے کے دو ہاتھ ہوں کہ ایک ہاتھ دوسرے کو دھوتا ہے۔

یہ ہے اخوت کا بنیادی تصور۔ چنانچہ تمام ناظمین، ڈائریکٹرز، پرنسپل صاحبان غرض کہ ہر شخص جو جتنے اونچے اور بڑے عہدے کا حامل ہے اسے اتنا ہی زیادہ متواضع اور منکسر المزاج ہونا چاہیے۔ رفقاء و اراکین اور مشن کا کام کرنے والے سبھی لوگوں کا تنظیمات کے ساتھ مثالی سلوک ہونا چاہیے۔ ہمارے باہمی تعلق کے کم سے کم تین درجے ہیں:

۱۔ سب سے ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ ہر ایک، دوسرے کے ساتھ سگے بھائی کی طرح برتاؤ کرے، جیسا کہ ہمارا چھوٹا بھائی ہمارا محتاج ہوتا ہے اور ہم اس پر شفقت کرتے ہیں۔ ہمیں اپنے تحریکی ساتھی کے کام کی بھی اتنی ہی فکر ہو کہ اسے سوال کرنے کی نوبت

---

(۳۰) ۱ - ابن عساكر، تاريخ مدينة دمشق، ۲۱/ ,٤٤٤
۲ - غزالي، إحياء علوم الدين، ۲/ ۱۷۳.

تک نہ آئے۔ اگر اس نے کوئی سوال کیا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ ہم حق ادا نہیں کر رہے۔

۲۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ ہر وہ رفیق اور ساتھی جس کے ساتھ ہمارا واسطہ ہے، وہ ہمارا بھائی ہے۔ اسے اپنی ذات کے درجے پر رکھیں۔

۳۔ تیسرا اور سب سے بڑا درجہ یہ ہے کہ اس تحریکی ساتھی اور رفیق کو اپنی جان پر ترجیح دیں۔ یہی اخوت کا بلند ترین معیار ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

أُهْدِيَ إِلَى رَجُلٍ مِنْ أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ رَأْسُ شَاةٍ، فَقَالَ: إِنَّ أَخِي كَانَ أَحْوَجَ مِنِّي إِلَيْهِ، فَبَعَثَ بِهِ إِلَيْهِ، فَلَمْ يَزَلْ وَاحِدٌ يَبْعَثُ بِهِ إِلَى آخَرَ حَتَّى تَدَاوَلَهُ سَبْعَةُ أَبْيَاتٍ وَرَجَعَ إِلَى الْأَوَّلِ(۳۱).

ایک صحابی رسول رضی اللہ عنہ کے پاس کسی نے بکری کا سر ہدیہ بھیجا، اُنہوں نے یہ خیال کر کے کہ میرا فلاں بھائی مجھ سے زیادہ ضرورت مند ہے اسے اس کے پاس بھیج دیا۔ یہی خیال کر کے ہر شخص آگے دوسرے شخص کو بھیجتا رہا حتیٰ کہ وہ ہدیہ سات گھروں کا چکر کاٹ کر واپس پہلے شخص کے پاس پہنچ گیا۔

---

(۳۱) الغزالي، إحياء علوم الدين، ۳/ ۲۵۸.

یہ ہے ایثار کا سب سے اعلیٰ درجہ جو آقا ﷺ نے تلقین کیا ہے۔ ہمیں اس طرح ایک دوسرے کی فکر کرنی چاہیے۔ جب یہ سوچ اور فکر ہمارا کردار بن جائے گی، تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے رویے بدل گئے ہیں؛ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہمارے رویے وہ نہیں رہے جو ہونے چاہییں تھے۔

حضرت ابو سلیمان دارانی رضی اللہ عنہ بڑے جلیل القدر تابعی اور اکابر اولیاء و صالحین میں سے تھے۔ آپ فرماتے ہیں:

لَوْ أَنَّ الدُّنْيَا كُلَّهَا لِيْ فِي لُقْمَةٍ ثُمَّ جَاءَنِي أَخٌ لَأَحْبَبْتُ أَنْ أَضَعَهَا فِي فِيْهِ(٣٢).

اگر ساری دنیا مجھے ایک لقمہ میں مل جائے، پھر میرے پاس میرا کوئی مسلمان بھائی آجائے تو مجھے یہ پسند ہو گا کہ وہ ایک لقمہ میں اپنے بھائی کے منہ میں ڈال دوں (مگر تب بھی مجھے لگے گا کہ میں نے اس کا پورا حق ادا نہیں کیا)۔

یہ تو ممکن نہیں ہو سکتا کہ ہم سب ابو سلیمان دارانی بن جائیں یا پھر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بن جائیں، عمر فاروق رضی اللہ عنہ بن جائیں، عثمان غنی رضی اللہ عنہ بن جائیں، علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بن جائیں، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بن جائیں اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بن جائیں۔ تاہم یہ ضروری ہے کہ ہمیشہ اس معیار کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے پیروی کے لیے کوشاں رہیں۔

یاد رکھیں! رشتے کا blind faith کبھی کہنے، لکھنے، کاغذی کارروائی اور وعظ و نصیحت سے قائم نہیں ہوتا۔ حقیقی اعتماد تو عملی مشاہدے اور تجربے سے قائم ہوتا ہے۔

---

(٣٢) ابن أبي الدنيا، الإخوان/ ٢٤٥، الرقم/ ٢١٧.

لہٰذا تمام عہدے داران و کارکنان کو ایک دوسرے پر ایسا اعتماد ہو کہ کوئی کسی دوسرے سے یہ توقع ہی نہ کرے کہ یہ عدل و انصاف سے ہٹ کر کوئی بات یا فیصلہ کر سکے گا۔ بڑے ہونے کا حقیقی معیار ہی یہ ہے کہ چھوٹوں کو بڑوں پر مکمل اعتماد ہو، آپس میں محبت کا ایسا رشتہ قائم ہو کہ جب بھی ملیں تو ملنے سے قلبی خوشی میسر آئے۔

جب ہم اللہ کے لیے ایک دوسرے کے بھائی اور دوست ہیں، تو پھر آپس میں اس قدر وسیع خلیج کیوں؟ ایک دوسرے کے بارے میں منفی سوچ کیوں؟ یقیناً کوئی خرابی تو ہمارے رویوں میں موجود ہے۔ اللہ چاہتا ہے کہ ہمارے رشتے میں عدل ہو، صفائی ہو، نیکی ہو اور ہر کسی کے ساتھ اچھا سلوک ہو۔ جب ہم کسی کو ناپسند کریں، تو گویا اللہ کی وجہ سے اور اس کے علاوہ جو بھی دوستی اور اخوت و محبت تھی اسے ہم نے ختم کر دیا۔ جب کہ ہمارے درمیان باہمی رشتوں کی بنیاد حرص و ہوا اور دنیا پرستی کی بجائے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لیے تھی۔ اگر مصطفوی کارکنان و عہدے داران کا یہ باہمی رشتہ قائم ہو جائے تو انتظامی و تنظیمی حوالے سے پریشانیاں ختم ہو جائیں۔

اسی کو پہلے زمانے میں الاخوان فی اللہ کہتے تھے۔ جو ایک دوسرے سے اللہ کے لیے دوستی کرتے تھے انہیں اپنے خونی رشتوں سے مل کر اتنی خوشی نہیں ہوتی تھی جتنی اللہ کی وجہ سے قائم رشتہ داروں سے مل کر ہوتی تھی۔ یہ بڑی عجیب رشتہ داری ہے۔ آخرت میں اسی اخوت نے کام آنا ہے اور یہی ہمارے تعلق کی بھی بنیاد ہونی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعریف کرتے ہوئے ان کی درج ذیل دو چیزیں خاص طور پر بیان کیں:

ا۔ جب دین کے دشمنوں کے ساتھ لڑتے ہیں تو أشداء علی الکفار کا پیکر ہوتے ہیں یعنی اللہ کے دشمن کے مقابلے میں بڑے سخت اور شدید ہوتے ہیں۔

۲۔ جب انہیں آپس میں دیکھو تو رحماء بینھم کا عملی پیکر بنے نظر آتے ہیں۔ یعنی وہ آپس میں بڑے رحیم اور سراپائے رحمت ہیں۔

ہمیں اپنے رویوں میں رحماء بینھم کے اس فیض کو سجانا ہے۔ اسی صورت میں اخوت و بھائی چارے کا یہ رشتہ جو تحریکی ساتھیوں کے مابین قائم ہے مضبوطی و استحکام سے ہمکنار ہو گا۔

۱۳۔ ہمہ وقت مراقبہ، محاسبہ اور مؤاخذہ کا اہتمام

اخلاقی و روحانی تربیت کے لیے لازم ہے کہ خدمتِ دین کے سفر پر رواں ہر مسافر اپنے شب و روز کے معمولات میں درج ذیل تین چیزوں کو لازمی طور پر شامل رکھے:

۱۔ مراقبہ

۲۔ محاسبہ

۳۔ مؤاخذہ

یہ تینوں امور نہ صرف انفرادی اصلاح کے لیے ضروری ہیں بلکہ تنظیمی و انتظامی لحاظ سے بھی ان کا اہتمام کرنا ہو گا۔ انفرادی و اجتماعی ہر دو سطح پر پہلے مراقبہ پھر محاسبہ اور پھر مؤاخذہ کا عمل ہے۔ ذیل میں ان تینوں کو واضح کیا جا رہا ہے:

(۱)مراقبہ

نگرانی کرتے رہنے کو مراقبہ کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے صوفیاء اور اولیاء کو بھی روحانی تربیت کے لیے یہی نظام دیا ہے۔ تنظیمی تربیت کی خارجی اور اندرونی دنیا کے لیے بھی یہی نظام کار آمد ہے۔ تنظیموں میں بھی یہی طریقہ کار فرما ہے کہ بڑا عہدے دار ہمیشہ مراقبہ یعنی نگرانی کرتا ہے اور جو نگرانی نہیں کر سکتا، اسے اس حلقے میں بڑا رہنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے، یہیں سے نظام خراب ہوتے ہیں۔ نگرانی کا ایک تعلق work load کے ساتھ ہے اور ایک صلاحیت کے ساتھ۔ یعنی اگر کسی میں نگرانی کرنے کی صلاحیت ہی نہیں ہے، تو پھر نگرانی کیسی؟ اگر کوئی کسی کام کی ہر وقت نگرانی نہیں کر سکتا تو اس کا بڑا بنایا جانا یا بڑا بن کر رہنا بے سود ہے۔ اگر کسی کو کسی ایک حلقے اور ایک کام کے لیے بڑا مقرر کیا گیا ہے، اسے ہر صورت میں اپنے فرائضِ منصبی نہایت احسن انداز میں ادا کرنے چاہییں۔ جتنا کام اُسے سونپا جائے اس کی ہر وقت نگرانی کرے۔ جب وہ صحیح انداز میں مراقبہ کرے گا تب ہی محاسبہ کر سکے گا اس لیے کہ محاسبہ اور احتساب کے بغیر مطلوبہ نتائج سامنے نہیں آسکتے۔

مراقبہ کے لغوی معنی غور کرنا، سوچ بچار کرنا، اور تدبر و تفکر کرنا ہے۔ تصوف کی اصطلاح میں اس کا مطلب نگرانی ہے۔ صوفیاء مراقبہ کیوں کرتے ہیں؟ وہ اپنے نفس، عقل، قلب، روح اور باطن کی نگرانی کرتے ہیں۔ نگرانی کا مطلب یہ ہے کہ نگران دیکھتا رہے کہ دل و دماغ میں کہیں کوئی غلط وسوسہ، کوئی غلط خیال تو نہیں داخل ہو رہا۔ کہیں کوئی ایسی سوچ تو نہیں آرہی جو شیطان اور نفس امارہ نے ڈالی ہو۔ کہیں وہم و گمان میں کوئی دنیوی خیال تو نہیں آرہا۔

ہر مصطفوی کارکن انفرادی اعمال کے حوالے سے بھی مراقبہ کا اہتمام کیا کرے تاکہ وہ اپنے باطن میں پنپنے والے وساوس اور شکوک و شبہات کی بروقت بیخ کنی کر سکے۔

(۲) محاسبہ

مراقبہ یعنی نگرانی کے بعد محاسبہ کا عمل ہے۔ یہ عمل بھی انفرادی اور اجتماعی سطح پر سرانجام دیا جانا ضروری ہے۔ مراقبہ یعنی نگرانی کے ذریعے بندہ اپنے جن انفرادی اعمال کے حوالے سے کمی، کوتاہی اور نقص سے آگاہ ہو، اُن کا محاسبہ کرے کہ میں اِن امور کا شکار کیسے ہو گیا۔

انفرادی سطح کے ساتھ ساتھ انتظامی اور تنظیمی سطح پر بھی محاسبہ کا عمل تحریک و تنظیم کی بقاء کے لیے از حد ضروری ہوتا ہے۔ ہر مصطفوی کارکن اپنے انفرادی اعمال میں بھی اور اپنی ذمہ داریوں کے لحاظ سے بھی اپنا حساب کتاب چیک کرتا رہے کہ کس کس سطح پر وہ کمی، کوتاہی کا مرتکب ہو رہا ہے اور وہ کون سے اعمال ہیں جو آگے بڑھنے کے لیے اس کا راستہ روکے ہوئے ہیں۔

اس طرح تنظیمی و انتظامی نگران بھی اپنے ماتحت افراد کی اولاً نگرانی کا حق ادا کریں اور پھر ٹیم ورک کی حیثیت سے اپنے طے شدہ اہداف تک نہ پہنچنے کی صورت میں یا ذمہ داریوں کی کماحقہ بجا آوری نہ ہونے کی صورت میں نگرانی کے دوران جو کوتاہی یا نقص سامنے آیا تھا، اس کا بھرپور جائزلیں اور تنظیمی و انتظامی مرض کی تشخیص کریں تاکہ اگلا سفر آسان ہو سکے۔

(۳)مواخذہ

مراقبہ اور محاسبہ کے بعد مواخذہ کا عمل ہے۔ یعنی جو غلطی، کوتاہی اور نقص انفرادی و اجتماعی سطح پر سرزد ہوا ہے، اس کے ذمہ دار کا تعین کر کے گرفت بھی کی جائے۔ یہ امر ذہن میں رہے کہ نگرانی کرنے والا اسی صورت میں مؤاخذہ کا حق رکھتا ہے، اگر اس نے نگرانی کے تقاضے پورے کیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ فاتحہ میں ﴿ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ﴾ بیان فرما کر پہلے اپنی رحمت کی فراوانی بیان فرمائی۔ پھر اس کے بعد کہا: چونکہ میں رحمت کرتا ہوں، اس وجہ سے اب ﴿مَٰلِكِ يَوۡمِ ٱلدِّينِ﴾ بھی ہوں، یعنی مؤاخذہ کا حق رکھتا ہوں۔ (وہ مالک ہے، تمام حقوق اسی کے ہیں۔) اگر کسی بڑے کا یہ تعلق چھوٹے سے نہیں ہے تو اسے قرآن مجید کی روشنی میں مؤاخذہ کا حق بھی حاصل نہیں ہے۔ لہٰذا جو شفقت نہیں کرتا، وہ مؤاخذہ کرنے کا حق دار نہیں ہو سکتا ہے۔ اگر وہ شفقت کے بغیر صرف مؤاخذہ ہی کرے تو وہ جابر تو ہو سکتا ہے نگران ہرگز نہیں۔

۱۴۔ خلاصۂ کلام

خدمتِ دین کے تقاضے پورے کرنے کے لیے ہمیں چاہیے کہ ہمیشہ اپنے اعمال، افعال اور اخلاق کو درست رکھیں۔ شریعت کی پابندی کریں۔ آقا ﷺ کے دین کی بڑھ چڑھ کر خدمت کریں۔ کسی بھی حالت میں نماز نہ چھوڑیں۔ ہمیشہ با جماعت نماز ادا کریں۔ گوشۂ درود میں بیٹھا کریں۔ حق اور سچ بولیں۔ آپس میں محبت و مودّت سے رہیں۔ یاد رکھیں! جن پیڑوں پر پھل لگتے ہیں وہی جھکے ہوئے ہوتے ہیں۔ خدا اور مصطفیٰ ﷺ کو جھکے ہوئے دِل ہی پسند ہیں۔ جو درخت اکڑے ہوئے ہوتے ہیں ان پر کچھ نہیں لگتا۔ شیخ الاسلام کو بھی اللہ کی بارگاہ میں جھکے ہوئے اور عاجز لوگ ہی پسند ہیں۔ جھکنے میں

عظمت ہے جبکہ اکڑنے میں ذلت اور تباہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ وہ ہمیں استقامت، عاجزی اور انکساری کے ساتھ جھکنے کی توفیق عطا فرمائے۔

مصادر ومراجع

١ - القرآن الكريم.

٢ - أحمد بن حنبل، أبو عبد الله أحمد بن محمد بن حنبل الشيباني (١٦٤-٢٤١هـ/ ٧٨٠-٨٥٥م). المسند. بيروت، لبنان: المكتب الإسلامي للطباعة والنشر، ١٤٠٨هـ.

٣ - البخاري، أبو عبد الله محمد بن إسماعيل بن إبراهيم بن مغيرة (١٩٤-٢٥٦هـ/ ٨١٠-٨٧٠م). الصحيح. بيروت، لبنان + دمشق، شام: دار القلم، ١٤٠١ هـ/ ١٩٨١م.

— الصحيح. بيروت، لبنان: دار ابن كثير، اليمامة، ١٤٠٧هـ/ ١٩٨٧م.

٤ - الترمذي، أبو عيسى محمد بن عيسى (٢٠٩-٢٧٩هـ/ ٨٢٥-٨٩٢م). السنن. بيروت، لبنان: دار إحياء التراث العربي.

٥ - ابن حبان، أبو حاتم محمد بن حبان بن أحمد بن حبان (٢٧٠-٣٥٤هـ/ ٨٨٤-٩٦٥م). الصحيح. بيروت، لبنان: مؤسسة الرسالة، ١٤١٤هـ/ ١٩٩٣م.

٦ - ابن أبي الدنيا، أبو بكر عبد الله بن محمد بن عبيد بن سفيان القرشي البغدادي (٢٠٨-٢٨١هـ). الإخوان. بيروت، لبنان: دار الكتب العلمية، ١٤٠٩هـ/ ١٩٨٨م.

٧ - ابن أبي شيبة، أبو بكر عبد الله بن محمد بن أبي شيبة الكوفي (١٥٩-٢٣٥هـ/ ٧٧٦-٨٤٩م). المصنف. رياض، المملكة العربية السعودية: مكتبة الرشد، ١٤٠٩هـ.

٨ - ابن طباطبا، محمد بن علي الشهير بـ"ابن الطقطقا (م ٧٠٩هـ). الفخري في الآداب السلطانية والدّول الإسلامية.بيروت، لبنان: دار صادر، بدون سنة الطبع.

٩ - الطبراني، أبو القاسم سليمان بن أحمد بن أيوب بن مطير اللخمي (٢٦٠-٣٦٠هـ/ ٨٧٣-٩٧١م). المعجم الأوسط. القاهرة، مصر: دار الحرمين، ١٤١٥هـ.

١٠ - ابن عبد البر، أبو عمر يوسف بن عبد الله بن محمد النمري القرطبي (٣٦٨-٤٦٣هـ/ ٩٧٩-١٠٧١م). جامع بيان العلم وفضله. بيروت، لبنان، دار الكتب العلمية، ١٣٩٨هـ.

١١ - ابن عساكر، أبو قاسم علي بن الحسن بن هبة الله بن عبد الله بن حسين الدمشقي الشافعي (٤٩٩-٥٧١هـ/ ١١٠٥-١١٧٦م). تاريخ مدينة دمشق المعروف بـ: تاريخ ابن عساكر. بيروت، لبنان: دار الفكر، ١٩٩٥م.

١٢ - الغزالي، أبو حامد محمد بن محمد الغزالي (٤٥٠-٥٠٥هـ).
إحياء علوم الدين. مصر، مطبعة عراقية، ١٣٥٢هـ/ ١٩٣٣م.
— بيروت، لبنان، دار المعرفة، بدون التاريخ.
١٣ – فريد الدين عطار. تذكرة الأولياء. ممبئي: مطبع فتح الكريم، ١٣٠٥هـ.
١٤ - ابن ماجه، أبو عبد الله محمد بن يزيد القزويني (٢٠٩–٢٧٣هـ/ ٨٢٤–٨٨٧م). السنن. بيروت، لبنان: دار الكتب العلميه، ١٤١٩هـ/ ١٩٩٨م.
١٥ - مسلم، أبو الحسين مسلم بن الحجاج بن مسلم بن ورد القشيري النيشابوري (٢٠٦-٢٦١هـ/ ٨٢١-٨٧٥م)، الصحيح، بيروت، لبنان، دار إحياء التراث العربي، بدون تاريخ.
١٦ - مالك، ابن أنس بن مالك بن أبي عامر بن عمرو بن حارث أصبحي (٩٣-١٧٩هـ/ ٧١٢-٧٩٥م). الموطأ. بيروت، لبنان: دار إحياء التراث العربي، ١٤٠٦هـ/ ١٩٨٥م.
١٧ - المنذري، أبو محمد عبد العظيم بن عبد القوي بن عبد الله بن سلامة ابن سعد (٥٨١-٦٥٦هـ/ ١١٨٥-١٢٥٨م). الترغيب والترهيب من الحديث الشريف. بيروت، لبنان: دار الكتب العلمية، ١٤١٧هـ.

١٨ - الهيثمي، نور الدين أبو الحسن علي بن أبي بكر بن سليمان (٧٣٥–٨٠٧ھ/ ١٣٣٥–١٤٠٥م). مجمع الزوائد. القاهرة، مصر: دار الريان للتراث، ١٤٠٧ھ/ ١٩٨٧م.

١٩ - أبو يعلى، أحمد بن علي بن مثنى بن يحيى بن عيسى بن هلال الموصلي التميمي (٢١٠–٣٠٧ھ/ ٨٢٥–٩١٩م). المسند. دمشق، شام: دار المأمون للتراث، ١٤٠٤ھ/ ١٩٨٤م.

MINHAJ BOOKS STORE

Online Shopping

Order on WhatsApp

+92 309 7417163

1 کتابوں کی خریداری کیلئے پر کلک کریں

2 کیٹلاگ سے کتابیں منتخب کریں

3 منتخب شدہ کتب کو خریداری ٹوکری میں شامل کرنے کیلئے "ایڈ ٹو کارٹ" بٹن دبائیں۔

پر کلک کر کے مزید کتب کی خریداری جاری رکھ سکتے ہیں یا اپنی خریداری ٹوکری دیکھنے کیلئے بٹن دبا سکتے ہیں۔

4 آپ خریداری ٹوکری میں ایک یا ایک سے زیادہ کتابیں شامل کر سکتے ہیں۔

کتابیں شامل کرنے کے بعد آرڈر کا بٹن دبائیں

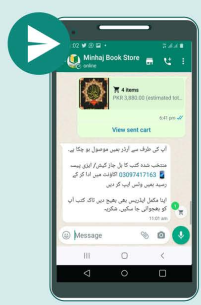

5 منتخب شدہ کتابوں کی ٹوکری میسج کریں۔

6 جاز کیش / ایزی پیسہ اکاؤنٹ میں ادا کریں

اب آپ کی طرف سے آرڈر مکمل ہو گیا ہے۔ منہاج بک سٹور کا نمائندہ کتب آپ کے ایڈریس پر بھجوا کر آپ کو میسج کر دے گا۔

www.MinhajBooks.com